ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
1
www.tanzeem.org
24 ربیع الاوّل تا یکم ربیع الثانی 1437ھ / 5 تا 11 جنوری 2016ء

رسول اللہؐ بحیثیت داعیٔ انقلاب

لیکن اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں کہ ''داعیٔ انقلاب'' کا اطلاق اگر نسلِ آدم کے کسی فرد پر بتمام وکمال ہوسکتا ہے تو وہ صرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہیں! اس لیے کہ تاریخِ انسانی کے دَوران اور جتنے بھی انقلاب آئے وہ بشمول انقلابِ فرانس وانقلابِ روس سب کے سب جُزوی تھے اور اُن سے حیاتِ انسانی کے صرف کسی ایک گوشے ہی میں تبدیلی رُونما ہوئی جیسے انقلابِ فرانس سے نظامِ سیاسی اور ہیئتِ حکومت میں اور انقلابِ روس سے نظامِ معیشت کے تفصیلی ڈھانچے میں جب کہ نبی اکرم ﷺ نے جو انقلابِ عظیم دنیا میں برپا کیا اُس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رُونما ہوئی اور عقائد ونظریات، علوم وفنون، قانون واخلاق، تہذیب وتمدّن، معاشرت ومعیشت اور سیاست وحکومت الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

رہی آپؐ کی انقلابی جدوجہد تو واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے بھی نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے کہ کسی ایک ہی شخص نے انقلابی فکر بھی پیش کیا ہو، پھر دعوت کا آغاز بھی خود ہی کیا ہو، پھر تنظیمی مراحل بھی آپ ہی نے طے کیے ہوں اور پھر اس انقلابی جدوجہد کو کشمکش اور تصادم کے جُملہ مراحل اور ہجرت وجہاد وقتال کی تمام منازل سے گزار کر کامیابی سے ہمکنار بھی کر دیا ہو اور یہ نہایت محیرُ العقول کارنامہ اور حد درجہ عظیم معجزہ ہے نبی اکرم ﷺ کا کہ آپؐ نے ایک فردِ واحد سے دعوتِ حق کا آغاز فرما کر کل 23 برس (اور وہ بھی قمری) کی مختصر سی مدت میں اعلاءِ کلمۃِ اللہ کا حق ادا فرما دیا اور سرزمینِ عرب پر دینِ حق کو بالفعل غالب ونافذ فرما دیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اس شمارے میں

انسان اور سانپ

رسول اللہ ﷺ کا سچا اُمتی کون؟

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

لڑکیوں کی پیدائش کو بوجھ مت سمجھئے!

حُبِّ رسول ﷺ کے عملی تقاضے

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے 14 سوال اور ان کے جوابات (4)

عروج وزوال کی حقیقت زہریلی کیوں؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

الھدیٰ (687)

ڈاکٹر اسرار احمد

نماز پنجگانہ کا حکم اور قرآن کی تلاوت

سُورۃ بَنِی اِسْرَاءِیل | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیات: 77 تا 79

سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا۝ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَۃً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝

آیت ۷۷ ﴿سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ ''یہی (ہمارا) طریقہ رہا اُن کے باب میں جنہیں ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا اپنے رسولوں میں سے''

اللہ کا قانون یہ ہے کہ رسولؑ کی ہجرت کے بعد متعلقہ قوم پر سے اللہ کی اَمان اٹھا لی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ قوم بہت جلد عذاب کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا۝﴾ ''اور آپؐ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾ ''نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک' اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔''

یہ حکم پنج گانہ نماز کے نظام کے بارے میں ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ پھر عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ایک سلسلہ ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ پانچویں نماز یعنی فجر کو یہاں پر ''قرآن الفجر'' سے تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝﴾ ''یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔''

گویا فجر کا وقت نماز اور قراءت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رات بھر جسمانی اور ذہنی آرام کے بعد فجر کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نماز میں اس کی حضوریٔ قلب کی کیفیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ دنیا کے معاملات کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کے اوقات میں تبدیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نمازوں میں دونوں جماعتوں کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہونے اور آئندہ ڈیوٹی کا چارج لینے والے فرشتے بھی۔ لہٰذا فرشتوں کی اس حاضری کی وجہ سے بھی نمازِ فجر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

آیت ۷۹ ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ''اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ''

یہاں لفظ ''بِـــہٖ'' میں وہی انداز ہے جس کی تکرار اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام میں دیکھ چکے ہیں۔ (اَنْذِرْ بِهٖ' ذَكِّرْ بِهٖ) یعنی انذار' تذکیر' تبشیر' تبلیغ سب قرآن کے ذریعے سے ہو۔ چنانچہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دیا گیا تو فرمایا گیا کہ رات کا ایک حصہ آپؐ قرآن کے ساتھ جاگیے۔ تہجد کی نماز آپؐ قرآن کے ساتھ پڑھیں۔ ﴿نَافِلَۃً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝﴾

''یہ اضافی چیز ہے آپؐ کے لیے' امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

''مقامِ محمود'' بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جس پر آنحضور ﷺ کو جنت میں فائز کیا جائے گا۔

فرمانِ نبویؐ

رات اور دن کے فرشتوں کی رپورٹ

عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((یَتَعَاقَبُونَ فِیكُمْ مَلَائِكَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَائِكَۃٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُونَ فِی صَلَاۃِ الْفَجْرِ وَصَلَاۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِینَ بَاتُوا فِیكُمْ فَیَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَیْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِی فَیَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّونَ وَأَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّونَ)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صبح و شام فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں اور یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں، جو فرشتے رات کو تمہارے پاس رہے ہیں، (وہ آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے بندوں سے خوب واقف ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے، تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

24 ربیع الاوّل تا یکم ربیع الثانی 1437ھ جلد 25
5 تا 11 جنوری 2016ء شمارہ 01

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محمد خلیق
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 35869501-03: فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان اور سانپ

بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی کے حالیہ پاکستان کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک پارلیمانی لیڈر نے، جو ایک سیاسی جماعت کے سربراہ بھی ہیں کہا ہے کہ مودی یوں پاکستان آئے جیسے کوئی خالہ جی کے گھر آتا ہے۔ اس تبصرہ کو غیر مناسب یا غیر پارلیمانی تو کہا جا سکتا ہے لیکن بات حقیقت سے قریب تر ہے۔ حکومت پاکستان نے اس دورہ کو اچانک اور غیر طے شدہ قرار دیا ہے۔ حکومتی موقف کے مطابق 25 دسمبر کو ساڑھے گیارہ بجے دوپہر مودی صاحب کا اچانک میاں نواز شریف کو فون آیا کہ وہ افغانستان سے بھارت جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے پاکستان رُکنا چاہتے ہیں۔ میاں صاحب نے اُنہیں بتایا کہ وہ نواسی کی شادی کے سلسلے میں لاہور موجود ہیں۔ جس پر وزیر اعظم بھارت کا لاہور آنا طے پایا۔ نریندر مودی پانچ گھنٹے بعد چار بج کر پینتیس منٹ پر لاہور کے ہوائی اڈے پر اُترے۔ حکومت کے مطابق وقت کی انتہائی کمی کی وجہ سے بھارتی وزیر اعظم صرف میاں صاحب کے فیملی ممبران سے ملاقات کر سکے۔ وزراء میں سے صرف وزیر خزانہ اسحٰق ڈار موجود تھے، جو میاں صاحب کے سمدھی بھی ہیں۔ مشیران خارجہ سرتاج عزیز اور فاطمی بھی موجود نہ تھے اور ناصر جنجوعہ مشیر سلامتی جنہوں نے بھارتی مشیر سلامتی سے بنکاک میں ملاقات کر کے باہمی مذاکرات کی راہ ہموار کی تھی، اُنہیں بھی شریک نہ کیا گیا۔ بعد کے حالات و واقعات نے حکومت کے جھوٹ کا پول کھول دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ ملاقات طے شدہ پروگرام کے مطابق تھی۔ اس لیے کہ بھارتی سفارت خانہ نے دو دن پہلے اسلام آباد میں اپنی ایک تقریب اچانک منسوخ کر دی تھی۔ بھارتی سفارت خانہ کی دوسری سرگرمیوں سے بھی یہ بات سامنے آئی کہ اُنہیں کم از کم دو دن پہلے اس ملاقات کا علم تھا۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف کی طرف سے سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری کو صرف یہ کہا گیا تھا کہ وہ ان دونوں لاہور میں رہیں۔ ہماری وزارت خارجہ اس حوالہ سے قطعی طور پر بے خبر تھی۔ ملاقات کے دو دن بعد تک اس ملاقات کا ریکارڈ یا کسی قسم کے نوٹس وزارت خارجہ کو فراہم نہ کیے گئے لہٰذا یہ دورہ اچانک تو نہیں تھا البتہ پُراسرار یقیناً تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سیکورٹی یا کسی دوسری وجہ سے اس دورہ کا قبل از وقت اعلان نہیں کیا گیا تو اس کی پُراسراریت کے باوجود مودی کے پاکستان آنے کو بہت تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ ایک طرف میاں نواز شریف کا بھارت کی طرف ضرورت سے زیادہ جھکاؤ اور بھارت سے دوستی کی آپے سے باہر ہوتی ہوئی خواہش اور دوسری طرف مودی کی شخصیت جس میں اسلام اور پاکستان کے حوالہ سے زہر بھرا ہوا ہے۔ جو پاکستان کے لیے افغانستان سے روانہ ہوتے ہوئے بھی اُنہوں نے اس وقت بُری طرح اُگلا جب وہ کابل میں افغانستان کی پارلیمنٹ کی نئی عمارت کا افتتاح کر رہے تھے۔ اُنہوں نے واضح طور پر اور بلا جھجک کہا کہ افغانستان میں اُس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہمسائے ملک کی طرف سے دہشت گرد کارروائیوں کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ ڈھاکہ میں اُن کا یہ فخریہ اعلان کہ بھارت نے پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے میں اہم اور کلیدی رول ادا کیا تھا کسی محب وطن پاکستان کے لیے کسی راز کا افشاں تو نہیں تھا البتہ جس بے شرمی اور

ڈھٹائی سے اُنہوں نے سرعام اس کا اعلان کیا، وہ انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا۔ پاکستان کے بعض سیکولر عناصر جو بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھانے میں نواز شریف کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں، وہ مذہبی جماعتوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ بھارت سے مذاکرات میں رکاوٹ ہیں یا وہ بھارت سے جنگ کی خواہش مند ہیں۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہیں اصل اعتراض یہ ہے کہ مذاکرات صرف اُس وقت کیوں؟ جب وہ بھارت کی ضرورت ہوں اور صرف اُن معاملات پر کیوں؟ جو بھارت سمجھتا ہے کہ اُن کا حل ہونا اُس کے مفاد میں ہے۔ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضہ پر مذاکرات کیوں نہ ہوں؟ یا بھارت کی آبی جارحیت پر کیوں نہ ہوں؟ سیاچین پر بھارت کی چوری اور سینہ زوری پر کیوں نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ مودی کو مذاکرات کی طرف بڑھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ہے۔ مودی انتخابات میں دو نعروں کی بنیاد پر کامیاب ہوا تھا۔ (1) پاکستان دشمنی (2) اقتصادی عروج کے سہانے خواب —— بی جے پی کا یہ دو نکاتی انتخابی منشور تھا۔ یعنی پاکستان کو تباہ و برباد کرنا اور بھارت کو عالمی سطح پر ایک بڑی اقتصادی قوت بنانا جس پر اُسے عام ہندو نے پاکستان دشمنی میں اور کارپوریٹ سیکٹر نے اقتصادی نعرہ پر بی جے پی کو کامیاب کرایا اور مودی وزیر اعظم بن گئے۔ خود مودی میں چونکہ پاکستان دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری تھی لہٰذا برسر اقتدار آتے ہی منشور کے پہلے نکتہ پر زوردار انداز میں کام شروع ہوا۔ جس کی تفصیل میں جانے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ندائے خلافت کے قارئین کے ذہن میں بھارت کا یہ جارحانہ رویہ ابھی تازہ ہوگا جس میں سرحدوں پر جھڑپیں اور مختلف مواقع پر پاکستان کے خلاف زہر اس انداز میں اُگلا گیا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ بھارت کسی وقت بھی پاکستان پر پوری قوت سے حملہ آور ہوسکتا ہے۔ بدقسمتی سے اس سب کچھ کے باوجود میاں نواز شریف کا رویہ معذرت خواہانہ بلکہ بزدالانہ تھا، لیکن پاکستان کے آرمی چیف نے بعض مواقع کا فائدہ اٹھایا اور خاص طور پر 6 ستمبر کو یوم دفاع کی ایک تقریب میں بھارت کو للکارا اور واضح کہا کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے دوست ممالک کو بھی آگاہ کر دیا کہ وہ پاکستان کی سلامتی کے حوالہ سے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اندرون بھارت مسلمانوں کے حوالہ سے شیوسینا کا حد درجہ متعصب رویہ اور گائے کا گوشت کھانے کے الزام میں مسلمانوں پر حملے نے بیرونی دنیا میں بھارتی امیج کو بُری طرح زک پہنچائی۔ اسی دوران ایک صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں بی جے پی کو دندان شکن شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ برطانیہ میں اُن کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے ہوا۔ اس ساری صورت حال نے بھارت کی بیرونی تجارت کو بُری طرح متاثر کیا۔ جس پر بھارت کا وہ کارپوریٹ سیکٹر جس نے مودی کی کامیابی میں اہم رول ادا کیا تھا، وہ بُری طرح چیخنے چلانے لگا۔ حالات نے مودی کو مجبور کیا کہ وہ انتخابی منشور کے پہلے نکتہ پر عمل درآمد سے تائب ہو جائے اور دوسرے نکتہ یعنی بھارت کی اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دے۔ اس لیے کہ اگر دونوں نکات پر پیش رفت نہ ہوسکی تو اس کی سیاست کا جنازہ اٹھ جائے گا۔ بھارت کے کارپوریٹ سیکٹر نے مودی کے سامنے یہ بات رکھی کہ اگر پاکستان بھارت کو راستہ دے دے اور بھارتی تاجر و صنعت کار کھل کر افغانستان اور وسطی ایشیا سے تجارت کرسکیں تو بھارتی اقتصادی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے پاکستان سے اپنے تعلقات نارمل کیے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا سانپ نے کچیلی بدلی۔ مودی کا رویہ دنوں میں نہیں راتوں رات بدلہ اور پیرس سے نواز شریف کی بغل میں بیٹھ کر میٹھی میٹھی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مودی کی پاکستان سے بھارت واپسی کے ایک دن بعد بی جے پی کے صف اول کے ایک لیڈر رام مدھاون نے ایک غیر ملکی ٹیلی ویژن چینل کو انٹرویو دیا جس کمرہ میں یہ انٹرویو دیا گیا اُس کی دیوار پر خطے کا جو نقشہ لگا ہوا تھا۔ اُس میں پاکستان ہی نہیں، بنگلہ دیش بھی نہیں تھا۔ جب انٹرویو لینے والے نے اس نقشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا آپ اب بھی اکھنڈ بھارت کے قائل ہیں؟ تو اُس نے اثبات میں جواب دیا اور کہا یہ کام اب ہم قوت سے نہیں بلکہ پیار سے اور سمجھا بجھا کر کریں گے۔ آخر ایک وقت میں جرمنی کے بھی دو حصے ہوئے تھے، پھر برلن کی دیوار گر گئی یہ دیوار بھی بالآخر گرے گی۔ مودی کا یہ دورہ اور نواز شریف سے محبت بھرے انداز میں بغلگیر ہونا اِسی نئی حکمت عملی کا آغاز ہے۔

ہم بھارت سے تنازعات اور دشمنی ختم کرنے کے لیے مذاکرات کے لیے تیار ہیں، لیکن ان مذاکرات کا موضوع کشمیر، آبی جارحیت اور سیاچین بھی ہونا چاہیے۔ صرف بھارت کے مفادات اور مطالبات پر ہی نہیں ہونا چاہیے۔ رہ گئی بات دوستی کی تو ذہن میں رہے، ہندو مسلم دوستی ممکن ہی نہیں۔ اِس کو سمجھنے کے لیے تاریخی حقائق پر نگاہ ڈال لیں ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی۔ تب بھی ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت برقرار رہی۔ مسلمان حکمرانوں کی رواداری کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ دوسری طرف انگریز سے مل کر ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ 1937ء کے انتخابات کے نتیجہ میں کانگرس کو پورے برصغیر میں صوبائی حکومتیں بنانے کا موقع ملا۔ اس پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ایسا انسانیت سوز سلوک کیا کہ محمد علی جناح جیسے ہندو مسلم دوستی کے سفیر بھی ایسی سفارت کاری سے تائب ہو گئے اور اُنہوں نے تسلیم کر لیا کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ پھر 11 ستمبر 1948ء کو جب پاکستان بابائے قوم کی موت کی وجہ سے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ حیدر آباد دکن پر جارحیت کر کے وہاں غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ تقسیم ہند کے موقع پر آنکھیں وہ نظارے کیسے بھول سکتی ہیں جب پاکستان میں بھارت سے خون سے لت پت گاڑیاں داخل ہوتی تھیں جن میں یا لاشیں ہوتی تھیں یا زخمی۔ کتنی مسلمان دوشیزاوں کی عزت تار تار ہوئی، کتنی حاملہ عورتوں کے پیٹ سنگینوں سے پھاڑ دیئے گئے۔ پاکستان کے بعد بھی ہندوستان میں یہ سلسلہ پوری طرح تھم نہ سکا۔ کتنی کشمیری ماوؤں کی گودیں ویران ہوئیں۔ کتنی نئی نویلی دلہنوں کے سہاگ اجڑ گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ ظلم وستم سے اٹی ہوئی یہ داستان کتنی کوئی سنائے اور کتنی کوئی سنے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین مکہ کی طرح مشرکین ہند بھی مسلمان کے دوست نہیں ہو سکتے۔ ہندو انسانی شکل میں وہ سانپ ہے جو کبھی مسلمان کو ڈسنے سے نہیں چُوکے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کا مسلمان جتنا اسلام سے دور ہوتا جارہا ہے اُتنا ہی اس سانپ کی زد میں آتا چلا جائے گا۔ ہم حکمرانوں کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سانپ کی دوستی انسان کے لیے ہمیشہ جانکاہ ثابت ہوئی ہے۔ ہندوستان سے مذاکرات کریں لیکن دوستی کے لیے نہیں دشمنی اور جنگ سے بچنے کے لیے اور صورت حال کو نارمل رکھنے کے لیے۔ کیونکہ آج کی جنگ برصغیر کو مکمل طور پر تباہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا لڑنے کی نہیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ جونہی سانپ اپنی خصلت کے مطابق ڈسنے کی کوشش کرے اُس کا سر کچل دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

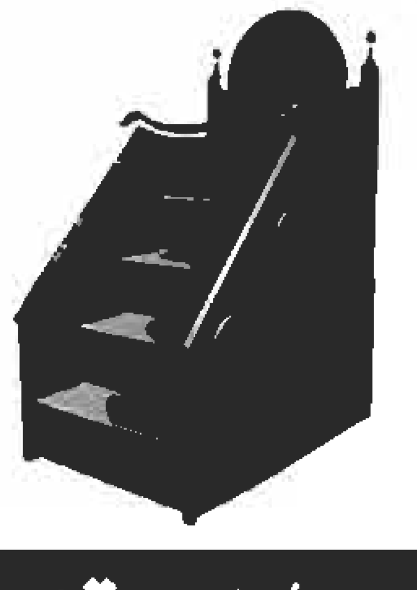

رسول اللہ ﷺ سے محبت کے تقاضے...... اور

رسول اللہ ﷺ کا سچا اُمتی کون......؟

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کے 25 دسمبر 2015ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

گزشتہ جمعہ ہم نے سورۃ الاعراف کی آیت 156اور157 کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ان میں سے پہلی مکمل آیت اور دوسری آیت کے ابتدائی حصہ میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت ،آپ ﷺ کی مختلف شانیں ، نوع انسانی پر آپ ﷺ کے احسانات اور رحمت کے چند ایک مظاہر کا تذکرہ تھا' جبکہ اگلی آیت میں حضور ﷺ کے سچا اُمتی ہونے کی نشانیاں اور شرائط بیان کی جا رہی ہیں۔ویسے تو ہم میں سے ہر شخص کے ذہن میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے امتی ہیں' لیکن صحیح معنوں میں حضورؐ کا سچا اُمتی کون ہے' اس کے بارے میں آیت157 کے آخری حصہ میں' ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں گے' وہ نبی اکرم ﷺ کے سچے اُمتی قرار پائیں گے اور وہی اشخاص آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔

اس وقت تو ہر شخص دعوے دار ہے کہ وہ سچا اُمتی ہے اس لیے کہ وہ آپ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت وعقیدت رکھتا ہے۔ پھر اس محبت اور عقیدت کے حوالے سے ہم نے نئے نئے انداز اختیار کر رکھے ہیں۔کیا یہی نشانی ہے سچے اُمتی ہونے کی؟ یہ آج کا بہت اہم سوال ہے' جس کا جواب سورۃ الاعراف کی آیت157 کے آخری حصہ میں دیا گیا ہے۔قرآن مجید نے کبھی بھی موضوعات کو عنوان لگا کر بیان نہیں کیا' لیکن کسی نہ کسی واقعہ کے تناظر میں قرآن میں زندگی کے تمام گوشوں کے حوالے سے راہنمائی ضرور موجود ہے۔اسی طرح سچا اُمتی کون ہے' اس حوالے سے بھی رہنمائی موجود ہے۔فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپؐ کی مدد کریں گے اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپؐ کے ساتھ نازل کیا جائے گا وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیت کے اس ٹکڑے میں چار شرائط بیان کی گئی ہیں اور اگر ہم واقعی نبی اُمی ﷺ کے سچے پیروکار بننا چاہتے ہیں تو پھر ان شرائط پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔

ان چار میں سے پہلی اور بنیادی شرط ''ایمان'' ہے۔ الحمدللہ' ہمیں اطمینان ہے کہ ہم سب ایمان رکھتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان کا ایک پہلو ہمیں حاصل ہے اور وہ اقرار باللسان یعنی زبان کی گواہی ہے۔

مرتب: حافظ محمد زاھد

اقبال نے کہا: ع ''دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی''۔ زبان کی گواہی سے ایک شخص مسلمان ہو جاتا ہے اور یہ ایمان الحمد للہ ہمیں موروثی طور پر حاصل ہوا ہے۔لیکن ایمان کا ایک دوسرا پہلو تصدیق بالقلب ہے' یعنی ہمارا دل بھی گواہی دے کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ وہ ہادیٔ اعظم ہیں اور انہوں نے ہماری رہنمائی اس سلسلے میں کی ہے کہ دنیا کی زندگی احکامات الٰہیہ کے مطابق گزارو تاکہ آخرت میں خسارے اور جہنم سے بچ سکو۔ یہ سب سے اہم راہنمائی ہے' لیکن ہم نے اسی کو سب سے پیچھے رکھا ہوا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ کے سچا اُمتی ہونے کی پہلی شرط ایمان ہے اور اللہ کے ہاں یقین قلبی والا ایمان معتبر ہے۔قرآن مجید میں جا بجا منافقین کا ذکر آیا ہے جو زبان سے تو کلمہ پڑھتے تھے' لیکن اعمال اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔چنانچہ دل میں کھٹکا ہوتا تھا کہ رسول کی تعلیمات کچھ ہیں اور ہمارے اعمال کچھ ہیں۔تو اب آپ ﷺ کے پاس آ کے قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا تبصرہ فرمایا ہے' ملاحظہ کیجیے: ﴿اِذَا جَاۗءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جب منافق آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں'' ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اُس کے رسول ہیں''۔ یعنی نہ صرف گواہی دے رہے ہیں' بلکہ قسمیں بھی کھا رہے ہیں' لیکن اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①﴾ ''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں''۔ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں اور ان کی حرکتیں بتا رہی ہیں کہ انہیں دلی یقین حاصل نہیں ہے۔ جبکہ اصل ایمان تو یقین قلب والا ہے' چنانچہ اس کے بارے میں ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہمارے دلوں میں یقین ہے؟

یاد رکھیں کہ جب دلوں میں یقین پیدا ہو جائے گا تو انسان کا عمل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔آج ہمیں یقین ہے کہ دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت ضروری ہے اسی لیے ہماری پہلی ترجیح اعلیٰ تعلیم کا حصول ہے۔غریب آدمی بھی چاہتا ہے کہ اس کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے' چاہے اس کے لیے قرض لینا پڑے یا بھیک مانگنی پڑے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ دنیا میں کامیابی کا راستہ یہی ہے۔لیکن آخرت کی کامیابی کی شرائط کی طرف سرے سے ہماری کوئی توجہ

ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ہر مسلمان کے لیے دین کا بنیادی علم حاصل کرنا فرض ہے' لیکن ہم مجموعی طور پر اس سے محروم ہیں۔ بہر حال سورۃ المنافقون کی اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے ہاں دلی یقین والا ایمان معتبر ہے اور جب یقین حاصل ہو جاتا ہے تو پھر انسان کا طرزِ عمل مختلف ہو جاتا ہے اور پھر دین کے تقاضوں کو پورا کرنا اس کی اولین ترجیح بن جاتا ہے۔

رسول اللہ کے سچے اُمتی قرار پانے کی دوسری شرط یہ بیان ہوئی ہے: ''وَعَزَّرُوْهُ'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور تعظیم و توقیر! الحمدللہ' حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کے حوالے سے مسلمانوں کے اندر بڑے مثبت جذبات ہیں اور آپؐ کی حرمت پر کٹ مرنے کے جذبات بھی ہم میں پائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے یاد رکھیے کہ یہ آپؐ کی تعظیم و توقیر اور آپؐ کا احترام بلکہ آپؐ کی محبت، یہ ہمارے ایمان کا لازمی حصہ اور لازمی تقاضا ہے۔ اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو ہمارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس بارے میں سورۃ الحجرات کی یہ آیت بڑی اہم ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲﴾ ''اے اہل ایمان! اپنی آواز کبھی بلند نہ کرنا نبی (ﷺ) کی آواز پر اور نہ انہیں اس طرح آواز دے کر پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو' مبادا تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حوالے سے ذرا سی بھی بے ادبی تمہارے ساری عمر کے کیے دھرے کو صاف کر دے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا ادب، احترام، تعظیم اور اس سے بڑھ کر آپؐ سے محبت یہ ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر آپ کے اندر ایمان ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی ایک مسلسل مجاہدہ کا نام ہے۔ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے راستے میں ایسی کون سی مشکل اور کون سی اذیت ہے جو آپؐ پر نہ آئی ہو۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے حالات بہتر ہو جانے کے بعد بھی اپنی فقیرانہ زندگی کو ترک نہ کیا۔ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کے حالات اور ان کا معیار زندگی ذرا بہتر ہو گیا تو ازواج مطہراتؓ نے مطالبہ کر دیا کہ اب عام خوشحالی ہو گئی ہے' لہٰذا ہمارا بھی کچھ وظیفہ مقرر کر دیجیے اس لیے کہ کئی کئی دن گھروں میں چولہا نہیں جلتا۔ اس مطالبہ پر آپ ﷺ نے ایک مہینے تک ازواج مطہرات کا بائیکاٹ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے ہار مان لی اور فقر کی زندگی پر ہی راضی ہو گئیں۔ یہ زندگی آپ ﷺ نے گزاری ہے۔ چنانچہ جو آپ ﷺ کے سچے پیروکار ہوں گے تو وہ آپؐ کے اُسوہ کے مطابق زندگی گزاریں گے اور ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت بھی ضرور ہو گی اور آپ ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا بھی ہے۔ ایک حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (متفق علیہ) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے باپ' بیٹے اور تمام انسانوں سے''۔ چنانچہ آپ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ حقیقت تب بنے گا جب یہ دونوں تقاضے پورے ہوں گے: ایک طرف غایت درجہ میں آپ ﷺ کا اتباع اور اطاعت اور دوسرے غایت درجے میں آپ ﷺ کی محبت۔

رسول اللہ ﷺ کے سچا اُمتی ہونے کی تیسری شرط یہ ہے: ''نَصَرُوْهُ'' یعنی آپ ﷺ کی مدد اور نصرت!! نصرت کا لفظ اردو میں بھی عام مستعمل ہے' جبکہ ہمارے تبلیغی بھائیوں کی تو یہ ایک خاص اصطلاح ہے۔ اب سوال

پریس ریلیز یکم جنوری 2016ء

مودی سرکار نے ذہنیت نہیں بدلی حکمت عملی بدلی ہے۔ گویا اب بغل میں چھری منہ میں رام رام کا پرانا فارمولا استعمال کریں گے

ان شاء اللہ افغان طالبان جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا ہدف حاصل کر لیں گے

اہل پاکستان سودی معیشت کے ذریعے اللہ اور رسول سے جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں لہٰذا تائید ایزدی سے محروم ہو چکے ہیں

حافظ عاکف سعید

بی جے پی نے ذہنیت نہیں بدلی حکمت عملی بدلی ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ مودی کے حالیہ دورے میں جس طرح وزارت خارجہ اور نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزر کو نظر انداز کیا گیا۔ اور ملاقاتیں اپنے خاندان تک محدود رکھی گئیں یہ کسی طرح بھی جمہوری انداز نہیں بلکہ شاہی انداز تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ مودی نواز شریف اور اُن کی فیملی کے لیے گرم جوشی اور محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اور اُن کی جماعت کا جنرل سیکرٹری رام مدھان میڈیا کو بتا رہا تھا کہ ہم اپنے اکھنڈ بھارت کے موقف سے قطعی طور پر پیچھے نہیں ہٹے، البتہ یہ کام اب قوت سے نہیں بلکہ محبت اور افہام و تفہیم سے کیا جائے گا۔ جرمن کی طرح ہندوستان میں برلن دیوار بالآخر گرا دی جائے گی۔ گویا اب بغل میں چھری منہ میں رام رام کا پرانا فارمولا استعمال کریں گے۔

روس اور افغان طالبان کے درمیان رابطوں کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ مسلمان مجاہدین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دشمن سے نمٹنے کے لیے جہاں سے بھی مدد ملے اُسے حاصل کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ حکمت عملی میں تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہدف تبدیل نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں امید ہے کہ افغان طالبان جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا ہدف حاصل کر لیں گے۔ اُنہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اہل پاکستان سودی معیشت کے ذریعے اللہ اور رسول سے جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں، لہٰذا تائید ایزدی سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہمیں بھی اللہ کی مدد حاصل ہو سکتی ہے اگر ہم اللہ سے اپنے وعدہ کے مطابق پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی خلوص سے سعی و جہد کریں۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

یہ ہے کہ رسول ﷺ کی مدد کس کام میں ہے؟ دیکھا جائے تو ذاتی زندگی میں آنحضور ﷺ نے کبھی کسی کا کوئی احسان اپنے اوپر قبول نہیں کیا۔ روایات میں آتا ہے کہ اگر آپؐ اونٹ پر سوار ہوں اور آپؐ کا کوڑا نیچے گر جائے تو آپؐ کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ مجھے پکڑا دو‘ بلکہ اپنا اونٹ بٹھاتے تھے اور خود کوڑا اُٹھاتے تھے۔ اتنی حمیت اور غیرت تھی آپ ﷺ میں۔ اسی طرح سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب ہجرت کی اجازت ملی تو آنحضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے گھر تشریف لائے اور انہیں بشارت دی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بہت ہی مسرت سے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ سواری کے حوالے سے بے فکر رہیں‘ میں نے سفر کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے‘ لیکن ایک کی قیمت میں خود ادا کروں گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ رو پڑے کہ اللہ کے رسول مجھ سے بھی اتنی مغایرت!! یعنی وہ شخص جو بالکل ہر وقت سائے کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ لگا ہوا ہے‘ ہر معاملے میں دست و بازو ہے تو اس کا بھی احسان حضور ﷺ اپنی ذات پر لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

چنانچہ یہاں نصرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے رسول ﷺ کو جو مشن دیا تھا‘ اس مشن میں آپؐ کے دست و بازو بن جانا اور آپؐ کی نصرت کرنا۔ آپ ﷺ کے مشن کے دو حصے ہیں‘ ایک یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پوری نوع انسانی تک پہنچانا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے‘ لہٰذا اس قرآنی ہدایت کو پوری نوع انسانی اور چہار دانگ عالم میں کونے کونے تک پہنچانا ہمارے ذمے ہے۔ اسی لیے تو ہمیں بہترین امت قرار دیا گیا کہ ان کو وہ مشن سونپا گیا ہے جو اس سے پہلے نبی اور رسولوں کو دیا جاتا تھا۔ اس مشن کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف اللہ کا پیغام پہنچایا نہیں‘ بلکہ اللہ کے دیے ہوئے کامل نظام کو بھی آپؐ نے نافذ کر کے دکھایا اور یہی آپ ﷺ کا مقصد بعثت ہے۔ چنانچہ اب آپ ﷺ کے بعد اُمتیوں کو اس کام میں بھی مدد کرنا ہوگی اور اس کام کو لے کر آگے چلنا ہے۔ جب تک حضور ﷺ موجود ہیں تو بالفعل آپ ﷺ کے دست و بازو بننے کا حکم تھا‘ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا‘ وہ خود بخود داعی بن جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد جب جہاد و قتال کے مراحل آئے تو صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے چشم و ابرو کے اشارے پر گردنیں کٹوانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کو کہتے ہیں نصرت۔

رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے حوالے سے آج کے دور میں اولین کام یہ ہے کہ اس دین کو آگے سے آگے پہنچایا جائے۔ بدقسمتی سے آج سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ خود مسلمانوں تک دین کو اور دین کے تقاضے کو پہنچایا جائے۔ اس لیے کہ کوئی سمجھ رہا ہے کہ صرف نماز، روزہ ہی دین ہے اور کوئی سمجھتا ہے کہ صرف خدمت خلق کا کام ہی دین ہے۔ حالانکہ دین کا تقاضا یہ بھی ہے کہ پوری ریاست پر اللہ کا قانون نافذ ہونا چاہیے‘ پوری سٹیٹ اللہ کے احکام کے تابع ہونی چاہیے۔ یہ تصور تو بالکل ختم ہوتا جارہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے زندگی کے ہر گوشے میں راہنمائی دی ہے اور اگر ہم اس راہنمائی کو اختیار نہیں کر رہے تو سوچیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

بہرحال نصرت رسول سے مراد اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ہے۔ جس نصرت کے لیے قرآن پکارتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (الصف: 14) ”اے ایمان والو! اللہ (کے رسولؐ) کے مددگار بن جاؤ“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ باطل نظام کو جڑ سے اُکھاڑ کر اللہ کے دین کو قائم کرنے میں مدد کرنا۔ یہ ایک شخص اکیلا کر ہی نہیں سکتا‘ اللہ کی قدرت اپنی جگہ‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ایک نظام بنایا ہے اور اسی میں اللہ اہل ایمان کا امتحان لے رہا ہوتا ہے کہ کون اسلام اور اللہ کے اس قرآن کے ساتھ محبت کے حوالے سے سچا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سچے اُمتی کی چوتھی شرط یہ بیان ہوئی ہے: ”وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ“ یعنی کتاب ہدایت ’قرآن‘ کا اتباع کرنا۔ گویا ایک طرف محبت وعقیدت کے ساتھ آپؐ کے مشن میں آپؐ کے دست و بازو بننا اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنی ہدایت اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق زندگی گزارنا۔ اس چوتھی شرط کے حوالے سے سمجھ لیں کہ ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام گوشوں میں قرآن وسنت کی ہدایت کو پورے طور پر اپنے اوپر لاگو کرنا‘ یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی کامل اطاعت۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①﴾ (الانفال) ”اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو“۔ یہ تو آج کا عجوبہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مؤمن بھی کہتے ہیں اور اس بات پر ڈٹے بھی ہوئے ہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بات ہم نے ماننی نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اللہ کو رب مانا ہے، اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا راہبر و راہنما مانا ہے‘ لیکن اس کے باوجود آپؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اور آپؐ کی اطاعت سے جان چھڑانا؟ بالکل غیر منطقی بات ہے۔ لہٰذا اگر واقعی مومن ہو تو ہر معاملے میں اللہ اور رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کرو: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (النساء: 64) ”ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے“۔ یہ رسول اللہ کا نمائندہ ہے، لہٰذا اس کی اطاعت گویا اللہ کی اطاعت ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: 80) ”جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی“۔

یہ ہیں وہ چیزیں‘ کہ اگر ان چیزوں کو اپنے اندر جمع کر لیں گے اور ان اوصاف کو اپنا لیں گے تو الحمدللہ‘ اول تو ہمارا شمار رسول اللہ ﷺ کے سچے اُمتیوں میں ہو گا اور پھر یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں خود قرآن کی گواہی موجود ہے کہ: ﴿اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ”یہی لوگ کامیاب و کامران ہونے والے ہیں“۔ اور اگر یہ اوصاف ہم میں نہیں ہیں تو پھر ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے کہ جس جس پہلو سے کمی ہے اس کو دور کریں اس لیے کہ کوئی مسلمان بھی یہ نہیں چاہے گا کہ حضور ﷺ کے اُمتیوں میں اس کا شمار نہ ہو‘ لہٰذا ان شرائط پر پورا اترنے کے لیے کوشش کریں اور رسول اللہ ﷺ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد میں شامل ہو جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جو دین دیا گیا تھا وہ پوری نوع انسانی کے لیے تھا، لہٰذا اس دین کا کل روئے ارضی پر قائم اور نافذ کرنا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے جسے ہم بھلائے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دینی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین! ☆☆☆

دعائے صحت

حلقہ کراچی شمالی گلستان جوہر 1 کے رفیق محمد ظافر الدین جنیدی ایک حادثے میں زخمی ہو کر ہسپتال میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔

قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

گزشتہ دنوں اسلام آباد میں سات بڑے مذاہب کے مابین ہم آہنگی، باہمی اعتماد اور مکالمے (Dialogue) کے لیے 24 ممالک سے Unite کے عنوان سے کانفرنس ہوئی۔ بڑی طاقتیں اسلام سے نمٹنے کے لیے ہر محاذ پر سرگرم ہیں۔ ایک "یونائیٹ کانفرنس" شام میں جاری ہے۔ جس پر نیٹو، امریکہ کے جہاز اسلحہ کے ذریعے ہر ممکن مکالمہ کر کے دیکھ چکے۔ پھر روس بھی کود پڑا۔ چین کی بھرپور مدد بھی اخلاقی سطح پر جاری ہے بشار الاسد کو تقویت دینے کے لیے۔ ایران، عراق، حزب اللہ بھی اس عالمی اکٹھ کا حصہ ہیں۔ ذرائع ابلاغ، عالمی کانفرنسیں، اعلامیے ہر سطح پر رواداری، افہام و تفہیم، مکالمہ، برداشت (Tolerance) کا شور بپا ہے۔ بحث و تمحیص سے اختلاف رائے میں مثبت نتائج تک پہنچنے کا ایک ڈھنڈورا ہے جسے 15 سال سے پیٹا جا رہا ہے۔

ان سالوں کا حاصل الحصول، نتیجہ اور نچوڑ یہ ہے کہ مغرب کی ان ساری اصطلاحی توپوں کا رخ یک طرفہ طور پر اسلام کی طرف ہے۔ برداشت اور مکالمہ پڑھاتے پڑھاتے وہ اچانک ہاتھا پائی پر اتر آتے ہیں اور خوب میزائل باری اور لشکر کشی ہوتی ہے۔ ملک در ملک نمٹتے اب شام مرکز ہے۔ برداشت یہ ہے کہ مسلمان کفر کی ساری برہنگی، فحاشی، طوفان ہائے بدتمیزی، ہم جنسی، بے نکاحی زندگی، حرام بچے برداشت کرے۔ لیکن جوابی برداشت میں ملک در ملک حجاب، نقاب پر پابندی عائد ہو۔ حیاداری ممنوع قرار پائے۔ مسلمان ممالک ہر سطح پر اختلاط مرد و زن رائج کریں۔ پاکستان ہی کو لے لیجیے۔ ساری حسینائیں بل بورڈوں پر چڑھ بیٹھیں۔ جو بچیں وہ فیشن شوز میں ریمپ پر اٹھلاتی پھریں۔ ملکی ترقی کے لیے سنجیدہ علمی مضامین اور مباحث کی جگہ شوبز، فیشن ڈیزائننگ، مصوری، موسیقی پروان چڑھے۔ ہم نصابی سرگرمیوں میں سائنسی، علمی، تحقیقی ہلکی پھلکی سرگرمیوں کی جگہ رقص و سرود، برائیڈل شوز، تال سُر لے لیں۔ جو اس ماحول کو برداشت کرنے کی رواداری نہ رکھتا ہو۔ اس کے علاج کے لیے عقوبت خانوں کے دروازے کھول دیے جائیں۔ آزادی اظہار سے مراد شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی اور توہینِ قرآن اور شعائرِ اسلام ہو۔ عالمی لیڈر قدم سے قدم ملا کر سینہ ٹھوک کر ہمیں رواداری سکھانے کو کھڑے ہیں۔ ہم سب چارلی ہیں۔ ہمیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ مخالف نقطۂ نظر کے لیے بحث مباحثہ ہونا چاہیے۔ کشادگی اور فراخ دلی و تحمل سے کام لیا جانا چاہیے۔

اب دیکھیے کہ تازہ ترین واردات اس تحمل و برداشت کی یہ ہے کہ سعودی عرب میں حسن البناءؒ، سید قطبؒ اور یوسف قرضاوی کی 80 کتب پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ دوسری جانب وار، ڈیوڈ کیمرون نے جماعت اسلامی کی برادر تنظیم یو کے اسلامک مشن برطانیہ پر کیا ہے۔ اسے انتہا پسندانہ نظریات کی ترویج کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بے بنیاد لغو الزام کہ اخوان کے مرشد سید قطبؒ، بانئ جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے تکفیری نظریات کی ترویج کے ضمن میں فکری رہنمائی لیتے رہے۔

چنانچہ دہشت گردی کے نام پر اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف چھیڑی گئی اس جنگ میں جسے بش نے بجا طور پر صلیبی جنگ (Crusade) کہا تھا۔ یہ دن تو آنا ہی تھا۔ قرآن کو دہشت گردی کا مینوئیل کہا گیا۔ صدارتی امیدواری کے دور میں (اب اظہار رواداری کرتے!) اوباما نے خانہ کعبہ پر ایٹم بم برسانے کی بات کی۔ امریکی صدارتی امیدوار ڈونلڈ ٹرمپ کے زہر میں بجھے ارشادات، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی اسی کا تسلسل ہے۔ پہلے بھی حسن البناءؒ، سید قطبؒ اور سید مودودیؒ کا نام انتہا پسندی پھیلانے کے ذمہ داران کی حیثیت سے اچھالا گیا۔ اب سعودی عرب نے پہل کر لی ضابطے کی پابندی لگا کر۔ اسلام کے یہ قدآور مفکر جنہیں مصر میں شہادت سے ہمکنار کیا اور سید مودودیؒ پھانسی کا پھندا ختم نبوت ﷺ کی خاطر چھو آئے، ہمیشہ سے کفر کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے رہے اور یہ بلاسبب بھی نہیں۔ سید قطبؒ نے فرمایا تھا: "ان کو چاہیے امریکی اسلام۔ وہ اسلام جو وضو اور طہارت وغیرہ کے مسئلوں میں تو خوب خوب فتوے دے۔ لیکن مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل میں زبان بند رکھے۔" یقیناً رواداری، برداشت اور مکالموں کے نام پر کفر مسلمانانِ عالم کو جو اسلام پڑھانا چاہتا ہے وہ کفر کی کٹھ پتلیاں اور غلام بن کر رضامند رہنے والا اسلام ہے۔ پوری مسلم دنیا کے معاشی وسائل کا استحصال مغربی طاقتوں کے ہاتھوں جاری رہے کوئی سوال نہ کرے۔ وہ لاکھوں مسلمان مار دے، ابوغریب، گوانتانامو بے، شام مصر کے عقوبت خانے ڈرون حملے، کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔

جمہوریت کے فسانے سنا سنا کر مسلم ممالک میں 2 سروں والی باہم دگر گوں، الجھی، مفادات پر لڑتی جھگڑتی امریکہ کی فدوی، مضحکہ خیز جمہوریتیں ہوں۔ عبداللہ عبداللہ اور اشرف غنی والی۔ یا پاکستان والی! مسلم ممالک پر بدعنوانی کے بھیانک سائے رہیں۔ قرضوں اور ٹیکسوں کے شکنجے میں قوم سسکتی رہے۔ وسائل پنپنے نہ دیے جائیں۔ مثلاً کالا باغ ڈیم نہ بن سکے، تھر کوئلے سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔ بلوچستان کے وسائل سے فیض یاب ہونا ممکن نہ ہو۔ ریلوے، فضائی کمپنی تباہ ہو جائے۔ قیادت پنپنے، ابھرنے نہ دو۔ اقبالؒ جیسے غزل سراؤں کو چمن سے نکال دو۔ لبرل ازم، سیکولرازم کی مے پلا کر شناخت گم کر دو۔ قلم اور زبانیں خرید لو۔ دل و دماغ خرید لو۔ بہترین ذہنوں کو اعلیٰ تعلیم کے جھانسوں میں اپنے ہاں بلا کر وہیں کا کر دو۔ ون ورلڈ ون گورنمنٹ کا دجالی ہدف ہر دن آگے بڑھ رہا ہے۔

تین انقلابی مفکرین جو مسلمان کو اس کی شناخت سے بہرہ مند کر کے دنیا کی قیادت کے لائق بنا دینے کا ملکہ رکھتے تھے۔ واقعی کفر سے بہتر ان کی پہچان اور کس کے پاس ہو گی۔ سوشل میڈیا پر حسن البناءؒ اور سید قطبؒ کی کتب پر پابندی کے حوالے سے ایک تبصرہ یہ بھی تھا: 1960ء میں تو سعودی عرب میں سید قطبؒ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور اب کتب پر پابندی لگ گئی؟ کیا ہوا؟ کیا مرحوم کے خیالات بدل گئے یا زندوں کے خیالات بدل گئے؟ سید قطبؒ کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ مردہ تو تھے نہیں۔ ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق! مسئلہ یہ ہے کہ بظاہر زندہ ہر دن ایمانی اعتبار سے مرتے جا رہے ہیں۔ راست فکری

سے محرومی، دل کی موت کا سامان لاتی ہے۔(دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ!) کچھ مردہ وہ ہیں جن کے بارے رب تعالیٰ ڈپٹ دیتے ہیں۔انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔(البقرۃ) اور کچھ زندہ وہ ہیں جو غلامی کے ہاتھوں چلتی پھرتی لاشیں بن چکے ہیں یہ تو وہ ہیں کہ بقول اقبالؒ بانگِ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں، روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد!اور کہتے ہیں کہ مر کے جی اٹھنا فقط آزاد بندوں کا ہے کام! سو امت کے بڑے حصے پر موت طاری ہے۔ سید قطبؒ کی فی ظلال القرآن سی معرکۃ الآرا حیات بخش انقلابی تفسیر ہو جو ایمان کی حرارت سے مالا مال کر دے۔ لیکن اس سے فیض یاب وہی ہو سکتا ہے جو مردہ دل، کلبِ دنیا نہ ہو! یہ تو ایک نصیحت ہے اور صاف پڑھے جانے والی کتاب، تاکہ وہ ہر اس شخص کو خبردار کر دے جو زندہ ہو(یٰسین:70) خدائے زندہ۔زندوں کا خدا ہے۔اور رہنما کتاب بھی زندوں کی ہی رہنمائی کر سکتی ہے۔

انداز کیجئے اب مسلمانوں کو کیسی کیسی تعلیم و تربیت دینی پڑ رہی ہے گوروں کو۔مثلاً ناروے میں مسلم پناہ گزینوں کو یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ ان کے ہاں جو خواتین رات گئے تک کم لباسی میں مبتلا آزادانہ اکیلی مٹرگشت کرتی پھرتی ہیں تو انہیں غلط مت سمجھیں۔آپ کو مسکرا کر بھی دیکھ لیں تو غلط مطلب نہ لیں۔یہ ہے تحمل، برداشت، رواداری کا حقیقی مفہوم۔دوسری طرف اسلام اور مسلمانوں پر سنگ باری کا یہ عالم کہ پورٹوریکو کی نو منتخب 20 سالہ ملکۂ حسن نے سوشل میڈیا پر مسلمانوں کی دل آزاری والے بیانوں کی بھرمار کر دی! ذات دی کوڑھ کرلی تے شہتیراں نوں جپھا! یہ وہی انداز ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تم ہم سے بڑی دردناک سزا پاؤ گے۔(یٰسین:18) ہر قوم نے اسلام اور اہلِ اسلام پر سنگ باری پر جو کمر بستگی دکھائی سو وہی سنت آج پوری ہو رہی ہے۔ہم میں سے ہر فرد کو اپنی مٹھی اور اس میں دبی کنکریاں دیکھنی ہیں۔رُخ کس کی طرف ہے؟ شاہت الوجوہ کہہ کر کفر کی جانب؟ یا یہ فلسطینی بچے کی مٹھی ہے اور رُخ اسرائیل کی طرف ہے؟ یا خدانخواستہ طائف کے ہرزہ سرا ٹولے کے سے سنگ بار بنے ہوئے ہیں بے شعوری کے عالم میں؟

☆☆☆☆☆

گوشۂ خواتین

لڑکیوں کی پیدائش کو بوجھ مت سمجھئے!

ام مریم

لڑکی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوشی منائیے جس طرح لڑکے کی پیدائش پر مناتے ہیں۔لڑکی ہو یا لڑکا دونوں ہی خدا کا عطیہ ہیں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کے حق میں لڑکی اچھی ہے یا لڑکا۔لڑکی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانا اور دل شکستہ ہونا اطاعت شعار مومن کے لیے کسی طرح زیب نہیں دیتا۔یہ ناشکری بھی ہے اور ناقدری بھی۔

بیٹا اور بیٹی دونوں اللہ کی عطا ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو صنفوں میں پیدا فرمایا ہے۔ایک مرد اور ایک عورت۔اور اس طرح پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔قرآن مجید میں اشارہ فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے عطا فرماتے ہیں اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں بانجھ کر دیتے ہیں، اس کے ہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور نہ لڑکی پیدا ہوتی ہے، لاکھ کوشش کرے مگر اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی۔جس کے لیے جو مناسب سمجھتے ہیں وہ اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لڑکے نعمت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں ایک ایسا نظام قائم فرمایا ہے جس میں دونوں کی ضرورت ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسی کو ذرہ برابر بھی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

بیٹے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار

اللہ تعالیٰ کی اس حکمت اور مصلحت کی روشنی میں جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو مسلمانوں میں بعض مسلمان آپ کو ایسے نظر آئیں گے کہ ان کے یہاں لڑکے کی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں کی جاتی ہیں، اور جب لڑکا پیدا ہو جاتا ہے تو اس وقت بہت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اور بڑے زور و شور سے عزیزوں اور دوست و احباب کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے، اور خوشی میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور پھر بڑے اہتمام کے ساتھ شاندار طریقے سے اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے۔

بیٹی کی پیدائش پر خوش نہ ہونا

اور اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو جائے تو وہاں کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا، اور نہ کسی سے تذکرہ کرتے ہیں کہ ہماری یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے، اور اگر کوئی پوچھ بھی لے تو بڑے دبے انداز میں بتاتے ہیں کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔لڑکی کی پیدائش پر کوئی اظہار مسرت نہیں۔نہ ہی مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، نہ لڈو بانٹے جاتے ہیں اور نہ عقیقہ کا اہتمام ہوتا ہے۔اگر عقیقہ کرتے بھی ہیں تو بس جانور خرید کر اور اس کے گلے پر چھری پھیر کر کسی مدرسے میں پہنچا دیتے ہیں۔

☆لڑکیوں کی تربیت و پرورش انتہائی خوش دلی، روحانی مسرت اور دینی احساس کے ساتھ کیجیے اور اس کے صلے میں خدا سے بہشت بریں کی آرزو کیجیے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی، انہیں تعلیم و تہذیب سکھائی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کر دے تو ایسے شخص کے لیے خدا نے جنت واجب فرما دی۔“ اس پر ایک آدمی بولا، اگر دو ہی ہوں تو؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”دو لڑکیوں کی پرورش کا بھی یہی صلہ ہے۔“ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک کے بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ ایک کی پرورش پر بھی یہی بشارت دیتے۔“(مشکوٰۃ)

حدیث میں ہے:”جو شخص بھی لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعے آزمایا جاتا ہے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے آزمائش میں کامیاب ہو تو یہ لڑکیاں اس کے لیے قیامت کے روز جہنم کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔“(مشکوٰۃ)

☆لڑکیوں کو حقیر نہ جانئے، نہ لڑکے کو اس پر کسی معاملہ میں ترجیح دیجیے۔دونوں کے ساتھ یکساں محبت کا اظہار کیجیے اور یکساں سلوک کیجیے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:”جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقے پر اسے زندہ دفن کیا اور نہ اس کو حقیر جانا اور نہ لڑکے کو اس کے مقابلے میں ترجیح دی تو ایسے آدمی کو خدا جنت میں داخل کرے گا۔“(ابوداؤد)

☆جائیداد میں لڑکی کا مقررہ حصہ پوری خوش دلی اور اہتمام کے ساتھ دیجیے۔یہ اللہ تعالیٰ کا فرض کردہ حصہ ہے اس میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو کوئی اختیار نہیں۔لڑکی کا حصہ دینے میں حیلے کرنا یا اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دے دلا کر مطمئن ہو جانا اطاعت شعار مومن کا کام نہیں ہے۔ایسا کرنا خیانت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی توہین بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔آمین!

حُبِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے

23 دسمبر 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانِ گرامی حافظ عاکف سعید (امیر تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد رفیق

سوال : سب سے پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کے بارے میں کچھ بیان کیجیے؟

حافظ عاکف سعید : ہر نبی اور رسول کے اُمتی یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے نبی یا رسول ہی سب سے افضل ہیں، لیکن سب سے افضل کون ہے؟ اس کا تعین کرنے والی وہ ذات پاک ہے جس کے پاس اختیار مطلق ہے اور جس کی بات سب سے زیادہ Athantic ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو سب کا خالق و مالک ہے۔ چنانچہ آپ ؐ کی افضلیت اور مقام ومرتبے کے حوالے سے شیخ سعدیؒ کی ایک رباعی بھی بڑی مشہور ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یُمکِنُ الثناء کما کان حقّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کہ نبیوں اور رسولوں میں افضلیت اور مقام ومرتبہ تو ہے ہی بلکہ اللہ کے بعد کوئی بزرگ ترین، سب سے زیادہ فضیلت والی اگر کوئی ہستی ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شیخ سعدیؒ نے قرآن مجید کی سورۃ الانبیاء کی اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے:

''نہیں بھیجا ہم نے آپ (ﷺ) کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر''۔ تمام جہانوں میں عالم بشر، عالم جنات اور عالم ملائکہ شامل ہیں۔ ان تمام جملہ مخلوقات میں شرف کے اعتبار سے بلند ترین مقام محمد رسول ﷺ کا ہے۔

سوال : عاکف صاحب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مکتب فکر نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کو ہر دفعہ نئے سے نئے انداز میں مناتا ہے اور زیادہ سے زیادہ خوشیوں کا اظہار کیا جاتا ہے جبکہ ایک مکتب فکر نبی کریم ﷺ کی ولادت کا دن اس انداز سے منانے کو شرک وبدعت قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث سے اس حوالے سے ہمیں کیا راہنمائی ملتی ہے؟

حافظ عاکف سعید : یقیناً نبی اکرم ﷺ سے محبت اور عقیدت ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کا اظہار کیسے کیا جائے؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ چونکہ ہمارا دین زندگی کے ہر گوشے میں راہنمائی فراہم کرتا ہے اور یہ خود ہمارے دین ہی کا ایک گوشہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کا یوم ولادت آئے تو ہم اسے کیسے منائیں؟ نبی اکرم ﷺ کے سب سے زیادہ وفادار، سچے اور جانثار صحابہ کرامؓ تھے، جن کے بارے میں قرآن نے گواہی دی ہے کہ

﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾ ''بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں''۔ وہ آپ کے سچے پیروکار تھے اور دین کا جو راستہ نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے اس پر کامیابی سے گامزن تھے۔

لہٰذا اس حوالے سے ہمیں اصل راہنمائی صحابہ کرامؓ سے ہی مل سکتی ہے کہ وہ یہ دن کیسے مناتے تھے۔ لیکن صحابہ کے دور میں اس انداز میں ولادت کا دن منانے کا کوئی سراغ ہمیں نہیں ملتا۔ ہماری تاریخ بڑی واضح ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد آئمہ اربعہ ہیں جن پر پوری امت اہل سنت والجماعت متفق ہے اور جنھوں نے تدوین فقہ میں پوری امت کی راہنمائی کی ہے، ان کے دور تک بھی ہمیں کسی ایسی چیز کا سراغ نہیں ملتا۔

سوال : دورنبوت کے کتنے عرصہ بعد آئمہ اربعہ کا دور آتا ہے؟

حافظ عاکف سعید : دورِ نبوت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد آئمہ اربعہ کا دور آتا ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''اُمت کے حوالے سے سب سے بہترین دور میرا اور صحابہؓ کا دور ہے، اس کے بعد تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا دور ہے''۔ یہ اس اعتبار سے بہترین دور تھا کہ اسلام اپنی صحیح اور خالص ترین شکل میں موجود تھا۔ لیکن اس میں بھی ہمیں عید میلادالنبی جیسی کوئی چیز نہیں ملتی۔ لہٰذا جو کام نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں نہ کیا گیا اس کو ہم دین کا حصہ سمجھ کر کریں تو پھر یہ دین میں ایک بگاڑ کی شکل بن جاتی ہے۔ ایسی چیزوں سے احتراز لازم ہے۔

پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ 12 ربیع الاوّل کو ہم کس بات کی خوشی منا رہے ہوتے ہیں؟ کیونکہ بنیادی طور پر یہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کا دن ہے جبکہ ولادت کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضور ﷺ کی ولادت کا دن 7 ربیع الاوّل ہے، بعض کے نزدیک 9 اور بعض کے نزدیک 12 ربیع الاوّل ہے۔ لیکن یہ بات طے اور تسلیم شدہ ہے کہ آپ ﷺ کا وصال 12 ربیع الاوّل کو ہی ہوا تھا، تو اس تاریخ کو اس انداز سے منانا بھی ایک عجیب سی بات لگتی ہے۔

سوال : دور حاضر میں میرے اور آپ کے لیے، نبی اکرم ﷺ سے محبت اور عقیدت کے عملی تقاضے پھر کیا ہیں؟

حافظ عاکف سعید : قرآن مجید نے اس کے لیے ہمیں کئی Dimensions میں راہنمائی دی ہے۔ سورہ آل عمران کی اس آیت میں ہمارے لیے بہت بڑی راہنمائی ہے۔

''(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے) کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا''۔ (آل عمران:31)

اہل ایمان کے دل میں سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہونی چاہیے جس کا تقاضا قرآن پاک میں آیا ہے کہ ''ایمان والے اللہ سے محبت میں شدید تر ہوتے ہیں''۔ اس کا سلیقہ بھی اللہ نے بتا دیا کہ تم رسول ﷺ کی پیروی کرو تو نتیجہ میں تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ یہی آنحضور ﷺ سے محبت اور عقیدت کا اصل تقاضا ہے جو کہ مطلوب ہے، جس کو

جو کام نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں نہ کیا گیا اس کو ہم دین کا حصہ سمجھ کر کریں تو یہ دین میں ایک بگاڑ کی شکل بن جاتی ہے۔ ایسی چیزوں سے احتراز لازم ہے۔

سورۃ الاعراف میں واضح اور جامع انداز میں بیان کیا گیا:

﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل کیا جائے گا وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

اتباع کرنے سے مراد کیا ہے؟ کیا صرف حضور ﷺ کی عظمت کے گن گانے سے ہی یہ تقاضا پورا ہو جائے گا؟ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں واضح ہو جاتا کہ آپؐ کے سچے محبین اور متبعین کون ہیں؟

(1) جو اس رسول نبی اُمیؐ پر ایمان لائیں گے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا پختہ یقین ہونا چاہیے کہ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ہماری ہدایت کے لیے آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا ہے اور یہ ایمان دلی یقین والا ایمان ہونا چاہیے، جیسے صحابۂ کرامؓ کا ایمان دلی یقین والا تھا۔ صرف زبان والا نہ ہو جیسے منافقین آپؐ کے پاس آکر قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں لیکن اللہ نے ان کا ایمان قبول نہیں کیا اور قرآن مجید میں واضح کر دیا

''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں''

کیونکہ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے تھے لیکن عملی طور پر اس کا اظہار نہیں تھا۔ تو یہاں ایمان سے مراد حقیقی اور سچا ایمان ہے۔ اگر حقیقی ایمان ہوگا تو پھر انسان کا عمل بھی اس کے مطابق ہو جاتا ہے۔

(2) وَعَزَّرُوْهُ: حضور کی تعظیم و توقیر کرنا۔

حضور ﷺ کی عزت، توقیر، ادب، احترام بھی ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر ادب و احترام نہیں ہوگا تو ہمارے تمام اعمال اور محبت کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا:

''اے اہل ایمان! اپنی آواز کبھی بلند نہ کرنا نبی (ﷺ) کی آواز پر اور نہ انہیں اس طرح آواز دے کر پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو، مبادا تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''

تعظیم کا تقاضا ہے کہ آپؐ کی گستاخی کا کوئی سوچ بھی نہ سکے کیونکہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اللہ تعالیٰ کو اتنی ناگوار ہے کہ اگر بڑے بڑے اعمال بھی کیے ہوں گے تو سب کے سب ضائع ہو جائیں گے۔

(3) وَنَصَرُوْهُ: وہ لوگ جو رسول ﷺ کی مدد کریں۔ یعنی آپؐ کو جو مشن دیا گیا ہے اس میں آپؐ کے دست و بازو بن جائیں۔ یہ بہت اہم تقاضا ہے جو بدقسمتی سے مسلمان بھول بیٹھے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا مشن صرف یہ نہیں ہے کہ جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کا دین غالب کریں۔ آپؐ کے مشن کو تو صحابہ کرامؓ نے صحیح انداز میں سمجھا تھا اور وہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد مدینہ میں نہیں بیٹھے رہے، انہیں آپؐ کا مشن اپنی زندگیوں سے زیادہ عزیز تھا اور وہ مشن یہ تھا کہ کل روئے ارضی پر اسلام کو پہنچانا ہے اور اللہ کے دین کو قائم و غالب کرنا ہے۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور اس پر قائم کرنے کے لیے اللہ نے ایک مکمل نظام بھی ہمیں دیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا'' (المائدہ:3)

اب اس کامل دین کو زمین پر نافذ کرنا ہے، تاکہ لوگوں کو

> حضورؐ سے محبت اور عقیدت کے اصل تقاضے کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔
>
> وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
> نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

امن و امان، عدل و انصاف میسر آئے، لوگوں کو ان کے حقوق میسر آئیں۔ صحابہ کرامؓ اس کے لیے نکلے۔ حضور ﷺ کے دور میں بھی انہوں نے اس دین کے لیے حضور ﷺ کی نصرت کی اور اس کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لیے آپؐ کے ایک اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ چنانچہ یہی آپؐ کی نصرت کا اصل تقاضا ہے ورنہ آپؐ نے اپنی ذاتی زندگی یا ذاتی معاملے میں کبھی کسی سے کوئی مدد نہ چاہی اور نہ ہی مانگی۔ اس معاملے میں آپؐ بہت زیادہ حساس تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر آپؐ اونٹ پر سوار ہوتے اور آپؐ کا کوڑا نیچے گر جاتا تو کسی کو نہیں کہتے تھے کہ یہ مجھے پکڑا دو بلکہ اپنا اونٹ بٹھاتے اور اُتر کر کوڑا خود اُٹھاتے تھے۔ آپؐ کی نصرت سے مُراد دین کے معاملے میں آپؐ کے دست و بازو بننا ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ بنے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد انہوں نے اسی دین کو کئی براعظموں تک پہنچایا۔ چنانچہ یہی وہ مشن ہے جس کے بارے میں اقبال بھی کہتے ہیں۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

آج کا مسلمان یہ پیغام بھولا ہوا ہے کہ پورے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس نظام کو قائم اور نافذ کرنا اُس کے ذمے ہے، یہی آپؐ کی نصرت اور یہی آپؐ سے محبت اور عقیدت کا تقاضا بھی ہے۔

(4) وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ: اس نور ہدایت کی پیروی کرے جو آنحضورؐ پر نازل ہوا۔

سچا اُمتی بننے کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ قرآن اور سنت رسولؐ کو بھی پورے طور پر نافذ کرے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے اور آپؐ کی سنت اس کی تشریح ہے۔ ان کو مضبوطی سے تھامنا بھی آپؐ سے محبت اور عقیدت کا تقاضا ہے۔ جو یہ چار شرائط پوری کریں گے، وہ سورۃ الاعراف کی اس آیت (157) کے مطابق فلاح پانے والے اور کامیاب ہوں گے۔ لہٰذا اگر رسول ﷺ کی محبت دل میں واقعی جاگزیں ہے تو اُمتی یہ چار کام کرے۔ گویا سچا اُمتی وہ ہے جو اس انداز سے زندگی گزارے۔

سوال: قرآن پاک کو Follow کرنے کا جو تقاضا بیان کردہ آیت میں آیا ہے، موجودہ دور میں ہم کس طرح اس کو لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں؟

حافظ عاکف سعید: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، ہم اس کو کتاب ہدایت ہی سمجھیں۔ ہم نے اس کو صرف کتاب مقدس بنا رکھا ہے۔ ہم اسے حصول ثواب یا ایصال ثواب کے لیے پڑھتے ہیں۔ جبکہ اس کو بطور ہدایت جتنا زیادہ سمجھ کر پڑھیں گے اسی قدر ہمارے اندر پختہ ایمان پیدا ہوگا، جس کی آج ہمیں شدید ضرورت ہے۔ ہم سب دعویٰ تو کرتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ پر ہمارا ایمان ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ آج ہمارا ایمان دنیا پر ہے کہ دنیا میں سب کچھ مل جائے، مال و دولت ہمارا مقصد ہے، دو ٹکے کا فائدہ دیکھ کر اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ صرف اپر کلاس میں نہیں بلکہ ہر لیول پر اور قدم قدم پر ہو رہا ہے۔ لہٰذا آج جس ایمان کی ضرورت ہے اس کا منبع اور سرچشمہ صرف قرآن ہے۔ اس کو پڑھیں گے تو ہمارے اندر ایمان کی کمی دور ہوگی اور ہماری آنکھیں کھلیں گی۔ دور جدید کے جو نئے نئے مسائل اُٹھنے والے ہیں، ان کے حوالے سے بھی ہمیں راہنمائی صرف قرآن سے ملے گی۔ لہٰذا دور جدید کا اصل تقاضا قرآن کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ حضور ﷺ نے اُمت کو یہی تاکید کی تھی کہ میں تو

دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا کیونکہ اللہ نے میرے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے اس کے بعد مجھے یہاں سے جانا ہے لیکن میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر ان کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔ اللہ کی کتاب ہمارے لیے بنیادی ہدایت نامہ ہے اور اس کی تشریح سنت رسول ﷺ ہے۔اس لیے سنت کتاب سے الگ نہیں۔لہٰذا قرآن کو جب تک ہم پڑھیں گے نہیں، سمجھیں گے نہیں تو ہم اصل مطلوب حاصل نہیں کر سکیں گے۔

سوال: مکی دور میں قریش نے آپؐ پر مظالم کے پہاڑ توڑے لیکن وہاں صحابہ کرام کو ”کفو ایدیکم“ ہاتھ باندھے رکھنے کا حکم تھا۔لیکن ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو قتال کی اجازت مل گئی، دونوں جگہوں پر مختلف نوعیت کے احکامات میں کیا حکمت تھی؟

حافظ عاکف سعید: صرف اجازت ہی نہیں بلکہ قتال کو فرض بھی کیا گیا اور قتال کا مطلب ہے Armed Conflict یعنی باقاعدہ جنگ یا مسلح تصادم۔آغاز وحی کے بعد جب نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق مکہ سے دعوت کا آغاز کیا تو ردعمل میں مسلمانوں پر تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعض صحابہؓ پر تو اس درجہ کا تشدد کیا گیا کہ ان کی موت واقع ہو گئی۔حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ کی شہادت ابوجہل کے بے انتہا مظالم کے نتیجے میں ہوئی۔اسی طرح حضرت بلالؓ سمیت دیگر صحابہ کرامؓ پر مظالم کی انتہا کی گئی لیکن اس سب کے باوجود بھی مسلمانوں کو اجازت نہیں تھی کہ وہ بھی بدلہ لیں بلکہ کہا گیا تھا کہ ” کفو اید کم “ یعنی ”اپنے ہاتھ باندھے رکھو“۔13 سالہ مکی دور کے آخر تک ہم دیکھتے ہیں کہ یہی حکم برقرار رہا۔البتہ ہجرت کے بعد اور ایک روایت کے مطابق ہجرت کے دوران ہی وہ آیت نازل ہوئی کہ جس کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔

”جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے، ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔“(الحج:39)

یعنی جن پر ظلم کیا گیا ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی اب اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔ یہ بات یاد رہے کہ قتال کی اجازت پہلے آئی ہے اور حکم بعد میں۔سورہ البقرہ میں آیا ہے کہ اب جنگ کرنا تم پر فرض ہے۔اب یہ ہمارے فہم کی کمی کی وجہ سے محسوس ہوتا کہ اس کے اندر کچھ Contradiction ہیں، شاید کہ پہلے کہا گیا کہ ہاتھ اُٹھانا نہیں اور پھر اجازت دی گئی بلکہ جنگ فرض کر دی گئی۔ ایسے لوگ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حضور ﷺ کو جو مشن دیا گیا تھا وہ صرف دعوت و تبلیغ نہیں تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تھا۔اللہ کی دھرتی پر اللہ کا نظام قائم کرنے کے لیے باطل نظام جو کسی بھی علاقے میں Exist کرتا ہے پہلے اس کی جڑوں کو کھودنا پڑتا ہے۔اس لیے کہ اس نظام کے ساتھ کچھ لوگوں کی مراعات وابستہ ہوتی ہیں، مراعات یافتہ طبقہ جو اس نظام کی کھیر کھا رہا ہوتا ہے اور عوام پر اپنی لیڈری کا دھونس جما کر ان کو قابو میں کرتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ عدل وقسط کا نظام قائم ہو چنانچہ باطل نظام کو پہلے جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے پھر اللہ کا عادلانہ نظام قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس کا بھی قرآن میں تین جگہ حکم ہے۔

”وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کرے“ (التوبہ:33)

> **حضور ﷺ کو جو مشن دیا گیا تھا وہ صرف دعوت و تبلیغ نہیں تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اللہ کی دھرتی پر اللہ کا نظام قائم کرنا تھا۔**

نظام کو بدلنے کے لیے پہلے قوت درکار ہوتی ہے۔مکی دور میں ایک تو ساری توجہ اس بات پر رہی کہ لوگ ایمان کے دائرے میں داخل ہو جائیں، ان کی عاقبت، اخلاقیات، رویے درست ہو جائیں، ان کی زندگی اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات کے تابع ہو جائے اور وہ اللہ کے ہاں سرخرو ہو جائیں جو کہ زندگی کا اصل مقصد ہے۔نوع انسانی کی سب سے بڑی فلاح تو آخرت میں ہے۔13 برس آپ مکہ میں دعوت دیتے رہے، چونکہ مکہ والے اس باطل نظام کے سپورٹر تھے، انہیں نظر آ رہا تھا کہ اگر اسلام آیا تو ہماری حیثیت ختم ہو جائے گی۔اس وجہ سے ہزاروں کی آبادی میں سے صرف 200 افراد ایمان لائے۔جبکہ حضور ﷺ ابھی مکہ میں ہی تھے کہ آپؐ کی دعوت مدینہ میں پہنچ گئی، آپؐ نے وہاں حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا جو وہاں قرآن پڑھاتے رہے جس کے ذریعے اوس اور خزرج قبائل میں سے ستر سے اسی فیصد لوگ ایمان لے آئے۔ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی نصرت تھی۔اب وہاں ایک مضبوط قوت بن گئی تو پھر نہ صرف یہ کہ قتال کی اجازت دی گئی بلکہ جنگ کو فرض کیا گیا تا کہ اللہ کے دین کو غالب کیا جا سکے۔ کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام استحصالی نظام ہوتے ہیں۔ایسا نظام جس میں ہر انسان کو معاشرتی، سیاسی، معاشی سطح پر برابری کی سطح پر حقوق ملیں، یہ تب ہی ممکن ہو گا جب اللہ کا دین غالب ہو گا اور لوگوں کو پھر عدل وانصاف اور امن وامان میسر ہو گا۔یہ بھی حضور ﷺ کی بعثت کا لازمی حصہ ہے جہاد وقتال کا یہ سلسلہ آپؐ کے وصال کے بعد میں بھی جاری رہا۔

سوال: مکہ میں ہاتھ باندھے رکھنے اور مدینہ میں جہاد کی حکمتیں آپ نے بیان فرمائیں۔نبی اکرم ﷺ کا وہ مشن ہمارے ذمہ بھی ہے جسے اقبال کہتے ہیں

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

دین کے اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لیے جہاد کے وہ احکامات جو قرآن مجید میں ہیں، دور حاضر میں کیسے Implement ہوں گے؟

حافظ عاکف سعید: یہ ایک انتہائی اہم سوال ہے کیونکہ موجودہ دور میں سب سے بڑا ایشو ہی یہ ہے کہ خود مسلمانوں کے اپنے ملکوں میں اللہ کا دین قائم، غالب اور سربلند نہیں ہے، تمام اسلامی ملکوں میں سودی معیشت باقاعدہ Prevail کر رہی ہے۔جبکہ قرآن میں واضح ارشاد ہے کہ اگر تم سود نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔آج ہم اللہ و رسولؐ کی شان میں بڑے بڑے قصیدے تو پڑھ رہے ہیں اور ان سے محبت کے اظہار کے مختلف طریقے اختیار کر رہے ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آ رہا کہ ہم اللہ و رسول ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں اور بدقسمتی سے ہم اس جنگ کو ختم کرنے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں۔مسلمانوں میں دور حاضر کا یہ ایک بہت بڑا تضاد ہے۔تو ان حالات میں مسلم ممالک میں اللہ کا دین کیسے قائم ہو؟ اس حوالے سے سمجھ لیجیے کہ حضور ﷺ نے جو جہاد وقتال کیا تھا، وہ کھلے کافروں اور مشرکوں کے خلاف تھا۔لیکن آج تخت حکومت پر جو لوگ قابض ہیں اور جو نظام کے کسٹوڈین ہیں وہ کلمہ گو مسلمان ہیں اور مسلمان کا مسلمان کے خلاف ہتھیار اُٹھانا انتہائی سنگین جرم ہے۔اس کی اکثر آئمہ اجازت نہیں دیتے اور بعض اگر اجازت دیتے بھی ہیں تو ایسی شرائط کے ساتھ جو آج پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔لیکن تنظیم اسلامی کا اپنا ایک مسلمہ موقف ہے، جس کے حوالے سے (باقی صفحہ 18 پر)

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے
14 سوال اور ان کے جوابات (قسط:4)

2002ء سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کی جانب سے ریمانڈ شدہ انسدادِ سود کا ایک نہایت اہم مقدمہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس معرضِ التوا میں پڑا تھا، جسے اب کورٹ میں تنظیم اسلامی کی کوششوں سے سماعت کے لیے فکس کر دیا گیا ہے۔ اب تک اس ضمن میں چار مختصر سماعتوں کی نوبت آ چکی ہے۔ کورٹ کی جانب سے معاملے کی وضاحت کے لیے چودہ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ جاری کیا گیا تھا جس کی روشنی میں فاضل عدالت از سرِ نو فیصلہ سنائے گی۔ ان سوالات کے جوابات شعبہ تحقیق کے سربراہ حافظ عاطف وحید نے اہلِ علم کی آراء کی روشنی میں تیار کیے ہیں اور انہیں کورٹ میں "داخلِ دفتر" کروا دیا گیا ہے۔ معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر اور ابلاغِ عامہ کی غرض سے ان سوالات کے جوابات قارئین کے لیے بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

Question 2: What is the definition of the term Qarz? Whether the term Qarz is synonymous to the term "Loan"? In what meaning the term Qarz has been used in the Holy Quran?

سوال نمبر 2: "قرض" کی کیا تعریف ہے؟ کیا "قرض" اور "ادھار" (Loan) ہم معنی اصطلاحات ہیں؟ قرآن مجید میں "قرض" کا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں قرض، قرضِ حسنہ اور دین کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، دین اور قرض قریب المعنی اصطلاحات ہیں جبکہ قرضِ حسنہ کو صدقات کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ عبادت کے مفہوم میں سے ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَ اللّٰہُ یَقۡبِضُ وَ یَبۡصُۜطُ ۪ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝﴾ (البقرۃ:245)

"کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ روزی کو تنگ کرتا ہے اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو زبان میں ایک لفظ استعمال ہوتا ہے "ادھار"۔ بسا اوقات قرض، دین، Loan، debt اور ادھار مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جبکہ اصل صورتحال یہ ہے کہ لفظ "ادھار" انگریزی اصطلاح Credit کا ترجمہ ہے جبکہ بینکوں اور مالیاتی اداروں میں لفظ Loan صرف قرض یا دین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ ادھار، نقد کا متضاد ہے جو قرض کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بالعموم بیع اور تجارت میں رائج ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں شے نقد خریدی یعنی فوری قیمت ادا کر کے خریدی۔ اس کے برعکس اگر کوئی کسی شے کی خریداری کے لیے فوری قیمت ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور ادائیگی کے لیے مہلت کا طلب گار ہو تو اسے اُدھار کہا جاتا ہے جو مقررہ مدت کے بعد واجب الادا ہوتا ہے البتہ اُدھار عاریت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

علامہ شامیؒ دین کی تعریف یوں کرتے ہیں:

الدین: ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاك، و ما صار في ذمة دينًا باستقراضه فهو أعم من القرض۔ (رد المحتار علی الدر المختار، جلد ۷، کتاب البیوع، ص ۴۰۰)

جو چیز کسی عقد یا کسی چیز کے ضائع و ہلاک کرنے سے کسی کے ذمہ واجب ہو گئی یا کسی چیز کو قرض (ادھار) لینے کی وجہ سے کسی کے ذمہ لازم ہو گئی ہو وہ "دین" ہے۔ دین قرض سے عام ہے اس میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے۔

اس کے برعکس امام ابن عابدین شامی قرض میں مدت کے تعین کو لازم نہیں سمجھتے البتہ جائز سمجھتے ہیں جبکہ صاحب ہدایہ نہ تو مدت کا تعین لازم سمجھتے ہیں اور نہ ہی وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ دونوں جید فقہاء کا قرض میں مدت کے تعین کو لازم نہ سمجھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک قرض سے مراد چیزوں کا عاریۃً لین دین ہے کیونکہ چیزوں کے عاریۃً لین دین میں مدت کا تعین کرنا لازم نہیں ہوتا۔

أنه يصح تاجيله مع كونه غير لازم فللمقرض الرجوع عنه ، لكن قال في الهداية: فان تاجيله لا يصح۔ (رد المحتار علی الدر المختار، جلد ۷، کتاب البیوع، ص ۴۰۲)

اور قرض میں مدت کا تعین کرنا لازم نہیں ہے، یعنی اگر قرض میں مدت کا تعین کر دیا جائے تو وہ غیر لازم ہونے کے باوجود صحیح ہے اور قرض دینے والا مدت کا تعین کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے، لیکن ہدایہ میں کہا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین کرنا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "قرض" اور "ادھار" قریب المعنی اصطلاحات ہیں۔ "لون" کا لفظ عموماً قرض کے لیے استعمال ہوتا ہے تاہم بعض اوقات یہ عاریت کے معنی میں بھی آتا ہے (ملاحظہ کیجیے المورد)۔ تاہم بینکنگ اور مالیاتی اداروں کے معاملات میں لفظ "لون" صرف قرض کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کا موجودہ بینکوں کے کاروبار سے تعلق ہے تو اس کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ کنونشنل بینکوں کا پورا نظام سودی قرضہ یعنی ربا پر ہی مبنی ہے۔ قرض کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ: کسی بدل پذیر (استہلاکی) مال کی ملکیت ایک ایسے شخص کو منتقل کرنا جو مستقبل میں اسی نوع کا مال واپس کرنے پر راضی ہو۔" یا بالفاظِ دیگر "اپنا کچھ مال دوسرے کو دینا تاکہ (اس کا مثل) بعد میں مل جائے"۔ مسلمہ اسلامی قانون میں اسے عام طور پر on demand liability سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہ مالکی میں قرض کی ادائیگی کے لیے وقت کی تعیین ضروری سمجھی جاتی ہے۔ AAOIFI نے اس نقطۂ نظر کی توثیق کی ہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ اسلامی قانون میں "قرض" اور "قرض حسنہ" کی اصطلاحات کوئی الگ الگ مفہوم نہیں رکھتیں۔ اسلامی فقہ کے مستند علماء کی تحریروں میں "قرض حسنہ" کی اصطلاح کہیں نظر نہیں آتی۔ AAOIFI نے اپنے standards میں قرض کی تعریف یہ کی ہے کہ: "کسی بدل پذیر شے کی ملکیت ایک ایسے شخص کو منتقل کرنا جو اسی نوع کا مال واپس کرنے کا پابند ہو۔" اصلاً یہ انتقال نقدی کی صورت میں ہوتا ہے۔ تاہم دوسری بدل پذیر اشیائے صرف بھی ادھار کا مواد ہو سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں قرض کا لفظ کسی اصطلاحی یا قانونی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ اس کا بیان فی سبیل اللہ کسی خیراتی عمل اور دولت کے اصراف کے معنوں میں ہوا ہے۔ (البقرۃ 2:245، الحدید 57:11,18، التغابن 64:17، المزمل 73:20)

عروج وزوال کی حقیقت زہریلی کیوں؟

ڈاکٹر ضمیر اختر خان
zamirakhtarkhan@yah.com

ایک کالم نگار صاحب ''چوراہے'' پر بیٹھے اکثر مایوسی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ملکی حالات کے حوالے سے بعض معاملات واقعی ایسے ہیں کہ بحیثیت قوم وہ ہمارے لیے مایوس کن ہیں۔مثلاً ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا مگر 68 سال بیت چکے، اسلام ایک نظام کی حیثیت سے کسی ادارے میں نظر نہیں آرہا ہے۔جس ملک کو قائداعظم اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے، اس ملک کے حکمران علماء سے اسلام کے احکام میں گنجائش پیدا کرنے کی فرمائش کر رہے ہیں۔جس ملک کے بانی نے اپنے مرکزی مالیاتی ادارے(State Bank) کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سود سے پاک معاشی پالیسی وضع کرے، وہ آج تک یہ کار خیر انجام نہیں دے سکا۔جس ملک کے حصول کا مطلب ''لا الٰہ الا اللہ'' قرار دیا گیا تھا، اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس کو ''لبرل'' بنایا جائے گا۔غرض ایک سے ایک مایوس کن صورت حال ہے۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ''چوراہے'' پر کھڑے ہو کر مایوسیوں میں مزید اضافہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل وفہم سے نوازا ہے ان کو چاہیے کہ وہ افراد قوم کی صحیح سمت میں راہ نمائی کریں اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔اپنے حصے کا کام کریں اور باقی معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

چوراہے والے کالم نگار صاحب نے 18 نومبر 2015ء کے کالم میں ''زہریلی حقیقتیں'' کے عنوان سے حسب عادت کچھ مایوسی پر مبنی باتوں کے بعد عروج وزوال کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ ''جس عروج پر زوال آیا اس پر دوبارہ عروج کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی''۔اس سلسلے میں انہوں نے مختلف سلطنتوں اور تہذیبوں (Empires & Civilizations) کا حوالہ دیا ہے، جیسے میسوپوٹیمین و اسیرین سلطنتیں وتہذیبیں، مصری ویونانی سلطنتیں وتہذیبیں، عظیم رومن و پرشین ایمپائرز۔اس کے بعد موصوف نے اسلام کے عہد زریں کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہاں بھی ان پر یاسیت ہی طاری ہے۔فرماتے ہیں: ''عظیم رومن اور پرشین ایمپائرز کے پارہ پارہ ہونے کے بعد مسلمانوں کا عہد شروع ہوتا ہے جس نے دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہر سو دوڑا دیے گھوڑے...... یہ سورج بھی سوا نیزے پر آنے کے بعد ڈھلتے ڈھلتے شام اور پھر رات ہو گیا، رات بھی ایسی کہ ڈھلتی دکھائی بھی دے تو دن نکلتا نظر نہیں آتا''۔

آخر میں برطانیہ اور سوویت یونین کی مثالیں پیش کر کے اور امریکہ کے تاحال عروج بارے یہ فرما کر کہ ''امریکہ ہی تادم تحریر سپر پاور ہے اور ابھی سٹیٹس کو ٹوٹتا دکھائی نہیں دیتا لیکن کب تک؟'' حضرت اپنی قنوطیت پسند سوچ وفکر کا اظہار یوں کرتے ہیں: ''نچوڑ اس کا یہ نکلا کہ ایک بار زوال جس کا نصیب ٹھہرا، کمال اسے دوبارہ نصیب نہ ہو سکا ورنہ تاریخ انسانی میں ایک آدھ مثال تو ایسی ملتی کہ دیکھو دیکھو فلاں قوم تہہ خاک یا تہہ آب سے پھر اُبھر آئی ہے۔ایسا کہیں ہوا ہو اور میری بے علمی و بے خبری آڑے آرہی ہو تو پہلی فرصت میں مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں''۔

ہم نہ تو تاریخ عالم جانتے ہیں اور نہ ہی ساری انسانی تاریخ کا احاطہ کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔البتہ کالم نگار کی رائے سے ہمیں اتفاق نہیں ہے کہ کسی زوال کے بعد عروج نہیں ہے اور نہ ہی قوموں کا عروج وزوال کوئی زہریلی حقیقت ہے بلکہ یہ ایک خدائی ضابطہ ہے۔اس حوالے سے ہم انسانی تاریخ کے سب سے بڑے اور سب سے مستند مآخذ، اللہ تعالیٰ کے آخری اور حتمی پیغام قرآن مجید فرقان حمید سے قوموں کے عروج وزوال کا ضابطہ اور انسانی تاریخ کی دو اہم اقوام بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل (امت مسلمہ دو حصوں پر مشتمل ہے ایک ''امیین'' جن کو بنی اسماعیل کہہ سکتے ہیں اور دوسرے ''آخرین'' جن میں تمام نسلوں اور جملہ اقوام عالم میں سے ایمان لانے والے مسلمان) کے دو دو عروج اور دو دو زوال کا مختصر جائزہ پیش کریں گے اور آخر میں اسلام کے دوبارہ عروج کی خوشخبری اپنے محترم کالم نگار کی خدمت میں اس عرض کے ساتھ پیش کریں گے کہ انسانی تاریخ کے انتہائی مستند و محفوظ ذریعے (source) کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ان شاء اللہ نور قرآن ان کے نور بصیرت کو چار چاند لگا دے گا۔

قوموں کے عروج وزوال کے حوالے سے قرآن دو اصول بیان کرتا ہے۔ایک ان قوموں کے بارے میں ہے جن کی طرف نبی و رسول (علیہم السلام) بھیجے گئے اور دوسرا ان اقوام سے متعلق ہے، جن کی طرف براہِ راست کوئی رسول نہیں آئے۔پہلی قسم کی قوموں کے بارے میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ اگر رسول پر ایمان لے آئیں اور دل وجان سے ان کی نصرت پر کمر بستہ ہو جائیں تو اللہ ان کو عروج عطا فرماتا ہے اور ان کے مخالفوں کو اللہ تعالیٰ یا خود ہلاک کر دیتا ہے جیسے قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد، قوم لوط اور آل فرعون یا انہی کے ذریعے ہلاک کر دیتا ہے، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعے اللہ نے قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتوں کو ختم کروا دیا تھا۔جب تک یہ قومیں نبی کی تعلیمات پر عمل پیرا رہتی ہیں، اللہ ان کو زمین پر تمکن عطا فرمائے رکھتا ہے اور جب یہ راہ راست سے (جو صرف نبیوں کا طریق ہے) انحراف کرتی ہیں تو اللہ ان کو زوال سے دوچار کر دیتا ہے۔جیسے فی زمانہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے۔

جہاں تک ان قوموں کا تعلق ہے کہ جن کی طرف کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوئے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ بنیادی انسانی اخلاقیات پر عمل کرتی ہوں تو اللہ ان کو حیات دنیوی کی حد تک حیوانات اور چرند پرند کے مانند اپنی عطا اور جود وسخا کے دستر خوان سے کھانے پینے اور دنیا کی نعمتوں ولذتوں سے متمتع ہونے کا موقع دیتا ہے۔(قرآن حکیم کے اس اصول کو دور حاضر کے فلسفۂ تاریخ کے ماہر مسٹر سپنگلر نے بھی تسلیم کیا ہے اور شاید چوراہے پر بیٹھے کالم نگار انہی کے خوشہ چیں ہیں) ان پر اسی قانون طبعی کا اطلاق ہوتا ہے، جو افراد انسانی کے لیے اللہ نے طے کیا ہے، جیسے فرد پیدا ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ایسے ہی قومیں اور تہذیبیں بھی طبعی ادوار سے گزر کر بالآخر ختم ہو جاتی ہیں۔ان کے لیے عذاب وثواب اور سزا و جزا کا سارا معاملہ آخرت سے متعلق ہے۔

اب اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ عروج کے بعد زوال اور پھر زوال کے بعد عروج تاریخ انسانی میں کبھی ہوا ہے یا کہ نہیں۔ہمارے ممدوح کالم نگار کا موقف یہ ہے کہ زوال کے بعد عروج کبھی نہیں ہوتا۔لیکن ہم جب

قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو ہمیں بنی اسرائیل کے دو عروج اور دو ہی زوال اور امت مسلمہ کے بھی دو عروج اور دو ہی زوال کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک کالم اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ تمام تاریخی واقعات کی تفصیل بیان کی جائے۔ لہٰذا ذیل میں انتہائی اختصار سے بنی اسرائیل اور امت مسلمہ کے عروج وزوال کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل آیات: 2 تا 7 اور 101 تا 104 میں کمال فصاحت اور غایت اختصار کے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دو ہزار سالہ دور کا وہ خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے جو امت مسلمہ یعنی امت محمد ﷺ کی سبق آموزی اور عبرت پذیری کے لیے کافی ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کے زمانے تک بنی اسرائیل پر چار دور گزر چکے تھے۔ دو عروج، جن کے دوران ان کا طرز عمل بھی دینی واخلاقی اعتبار سے درست رہا اور انہیں دنیا میں عزت وسربلندی بھی حاصل رہی اور وہ کثرت اموال واولاد کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات سے بھی بہرہ ور ہوتے رہے اور دو ہی دور زوال کے، جن کے دوران انہوں نے نفس پرستی اور بغاوت کی روش اختیار کی، جس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور غیر اقوام کے ہاتھوں وہ خود بھی ذلیل وخوار اور مفتوح ومغلوب ہوئے اور ان کے دینی وروحانی مرکز یعنی ہیکل سلیمانی کی حرمت بھی پامال ہوئی۔ بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی یہ تاریخ زمانی ترتیب کے ساتھ کچھ یوں ہے:

پہلا دور جو ان کے عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ اوّل جناب یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کی فتح سے شروع ہوا اور تقریباً تین سو سال تک کئی نشیب وفراز سے گزرتا ہوا سیدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ادوار میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا۔ دوسرے دور عروج کا آغاز بابل کی اسیری سے ذوالقرنین کے ہاتھوں نجات کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل سیدنا عزیر علیہ السلام کی تجدیدی واصلاحی مساعی سے ہوا اور لگ بھگ تین سو سال جاری رہا۔ (170 ق م سے 67 ق م تک) اس دور کی مکابی سلطنت نے تو ایک بار پھر سیدنا داؤد وسلیمان علیہما السلام کے ادوار کی یاد تازہ کر دی تھی۔

بنی اسرائیل کا پہلا دور زوال سیدنا سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اور اگلے تقریباً تین سو سال میں انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اولاً شمال سے آشوریوں کے ہاتھوں ان کی درگت بنی اور بعد میں مشرق سے بنوقدنضر (بخت نصر) کے حملے نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کرنے کے علاوہ لاکھوں کو قتل کیا اور چھ لاکھ مردوں، عورتوں، بچوں کو بھیڑوں بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا۔ بابل کی اسیری کا لگ بھگ سو سالہ دوران کی ذلت ورسوائی کا شدید ترین دور تھا۔ دوسرا دور زوال 63 قبل مسیح میں رومی فاتح پومپئی کے ہاتھوں یروشلم کی فتح سے ہوا اور تا حال جاری ہے۔ ان کا ہیکل سلیمانی آج تک دوبارہ تعمیر نہ ہو سکا۔

اب ذرا امت مسلمہ کے عروج وزوال کا تاریخی ترتیب سے جائزہ لیتے ہیں۔ پہلا عروج نبی ﷺ کی قیادت میں ساتویں صدی یعنی 610ء میں شروع ہوا جب آپ نے اپنی دعوت اسلام کا آغاز فرمایا اور کل تئیس برس میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک مکمل ہو گیا۔ آپ کی رحلت کے بعد خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت کے دوران ربع صدی سے بھی کم عرصے میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر ایران وعراق، شام وفلسطین اور مصر کے علاوہ شمالی افریقہ کے بڑے رقبے پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں عروج کا یہ سفر رک گیا، مگر بنوامیہ کے دور کے آغاز سے ہی یہ پھر شروع ہوا اور آٹھویں، نویں اور دسویں صدی تک عالم اسلام کی سرحدیں تین براعظموں تک وسیع ہو گئیں۔ ایک طرف مشرق میں ترکمانستان، افغانستان اور سندھ تک اور دوسری طرف مغرب میں پورے شمالی افریقہ کے علاوہ سپین سمیت مغربی یورپ کا وسیع علاقہ اسلامی خلافت کے زیر نگیں آ گیا۔

دسویں صدی کے دوران ہی زوال وانحطاط کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا کیونکہ دنیوی جاہ وجلال میں اضافے کے ساتھ ہی جذبات دینی اور حرارت ایمانی میں کمی آتی چلی گئی۔ اسباب عروج پس منظر میں چلے گئے اور اسباب زوال میں سرفہرست اللہ ورسول سے بے وفائی اور آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح نے گیارہویں صدی کے دوران ہی آخری حدوں کو چھو لیا مگر تھوڑا سا سہارا شمال مشرقی سرحدوں سے اسلام قبول کرنے والے کرد اور ترکان سلجوقی قبائل سے مل گیا، جنہوں نے اسی صدی کے دوران شام، فلسطین اور مصر میں مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے اور وقتی طور پر کسی قدر تازہ دم قوت فراہم ہو گئی۔

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دوران امت مسلمہ پر سابقہ کمزوری کے باعث عذاب الٰہی کا پہلا کوڑا برسا اور شمال سے صلیبی طوفان آیا جس کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ کے ناموس کا پردہ چاک ہوا اور اٹھاسی برس تک قبلۂ اول صلیبیوں کے قبضے میں رہا اور بیت المقدس میں مسلمانوں کا وہ قتل عام ہوا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مغربی مؤرخین بھی کانپ جاتے ہیں۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے تاتاری فتنے کا ظہور ہوا جس نے پہلے افغانستان اور ایران کو پامال کیا اور بالآخر 1258ء میں بغداد میں وہ تباہی مچائی کہ رہے نام اللہ کا۔ گویا مسلمانوں کے پہلے دور عروج کا اختتام ہو گیا۔

امت مسلمہ کے دوسرے دور عروج کا تذکرہ کرنے سے پہلے بنی اسرائیل اور اس امت کے درمیان جو فرق ہے، اس کی وضاحت ہو جائے۔ بنی اسرائیل ایک ہی نسل پر مشتمل تھے جبکہ اس امت کا آغاز تو بنی اسماعیل یعنی ''امیین'' سے ہوا جن کی طرف پہلے پہل نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ مگر بعد میں دوسری اقوام یعنی ''آخرین'' بھی اس کا حصہ بنتی گئیں کیونکہ نبی ﷺ صرف بنی اسماعیل کے لیے ہی رسول نہیں تھے بلکہ آپؐ تو تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ ان دونوں امتوں کے عروج وزوال میں یہ فرق نظر آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں نشاۃ الثانیہ کا عمل بھی اسی نسل کے ہاتھوں انجام پایا جبکہ امت مسلمہ میں پہلا عروج تو عربوں یعنی ''امیین'' کے ذریعے ہوا اور نشاۃ الثانیہ کا عمل غیر عرب مسلمانوں یعنی ''آخرین'' کے ذریعے انجام کو پہنچا۔

مسلمانوں کے عروج ثانی کا سہرا ترکان چنگیزی کے سر بندھا، جن کے دو قبیلوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی۔ ان میں سے ترکان تیموری نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی اور ترکان عثمانی نے ابتداً ایشیائے کوچک میں قدم جمائے اور پھر رفتہ رفتہ اس عظیم الشان مسلمان مملکت کی بنیاد رکھی، جس نے ایک طرف پورے مشرقی یورپ پر اپنی بالادستی کا سکہ جمایا اور دوسری طرف شمالی افریقہ سمیت پورے عالم اسلام کی حفاظت وسیادت کی ذمہ داری سنبھالی اور خلافت اسلامیہ کا بھی احیا ہو گیا۔ ادھر خلافت عثمانی کے ذریعے عالم اسلام کے مشرقی حصے کی نشاۃ الثانیہ کی تکمیل ہوئی تو اُدھر مغرب سے یورپی استعمار کی صورت میں دولت ہسپانیہ پر افتاد پڑی اور پندرہویں صدی کے دوران اس عظیم سلطنت کا قلع قمع ہو گیا اور لگ بھگ آٹھ صدیوں پر محیط مسلم عروج زوال سے دوچار ہو گیا۔

جب 1498ء میں واسکوڈے گاما نے نیا بحری راستہ تلاش کر لیا تو فوراً ہی یورپی استعمار کا رخ عالم اسلام

کے مشرقی حصے کی طرف مڑ گیا اور انیسویں صدی تک اس نے انڈونیشیا، ملایا اور ہندوستان کو اپنے استبدادی پنجوں میں جکڑ لیا۔ اسی اثنا میں خلافت عثمانی بھی اپنے دور شباب سے گزر آئی تھی اور بیسویں صدی کے آغاز تک اس کا دائرہ سکڑ کر ایشیائے کوچک تک محدود ہو گیا۔ اس طرح پوری امت مسلمہ کا زوال بیسویں صدی کے ربع اول میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا اور زوال کی یہ کیفیت برقرار ہے۔ بہت سے مسلمان ممالک آزاد ہو چکے ہیں مگر ذہنی غلامی سے ابھی تک نہیں نکل سکے۔ لیکن مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔

آخر میں وہ خوشخبری جو قرآن واحادیث میں ملتی ہے اس کا ذکر ضروری ہے تاکہ مایوسی نہ پھیلے اور اُمید کے سہارے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ واضح رہے کہ امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال مستقل نہیں عارضی ہے، اور مستقبل میں ان شاء اللہ بالکل برعکس ہو جائے گی۔ ایک وقت آئے گا کہ پورے کرۂ ارضی پر بالآخر امت محمد علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی حکومت قائم ہو گی اور اللہ کے دین کا بول بالا ہو گا، گویا موجودہ نیو ورلڈ آرڈر جو کہ درحقیقت جیو ورلڈ آرڈر (یعنی یہودیوں کی بالادستی کا عالمی نظام) ہے، اسلام کے ''جسٹ ورلڈ آرڈر'' (Just World Order) یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے عدل وقسط پر مبنی عالمی نظام میں تبدیل ہو کر رہے گا۔ ہم یہ دعویٰ ہرگز نہ کرتے اگر قرآن وحدیث میں یہ خبریں موجود نہ ہوتیں۔ طوالت سے بچتے ہوئے اس وقت دو احادیث پیش کی جاتی ہیں:

صحیح مسلم میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے''۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں سیدنا مقداد بن الاسودؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میں نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہے گا، نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہ کر دے گا، خواہ عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں۔ یعنی یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی تابعداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے''۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

☆☆☆

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ'' جامع مسجد ابوبکر صدیق ؓ سعد اللہ جان کالونی،
عقب (Admor) ایڈمور پٹرول پمپ نزد سرصاحب زادہ پبلک سکول،
پرانا حاجی کیمپ، جی ٹی روڈ، پشاور'' میں
17 تا 23 جنوری 2016ء (بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

ملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہو گا۔
رفقاء اِن موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:
☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ اسلام کا انقلابی منشور
☆ فرائض دینی کا جامع تصور (عبادتِ رب، شہادت علی الناس، اقامت دین)

برائے رابطہ: 091-2262902 ، 0333-5009760

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 36316638-36366638(042)

رفقاء متوجہ ہوں ان شاء اللہ

''31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سوسائٹیز، فلائی اوور برج،
سیکٹر I-8/4 اسلام آباد (دفتر حلقہ پنجاب شمالی)'' میں
15 تا 17 جنوری 2016ء (بروز جمعہ نماز عصر تا اتوار نماز ظہر)

نقباء کورس

(نئے ومتوقع نقباء کے لیے)
کا انعقاد ہو رہا ہے،
زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 051-4434438، 33-5382262، 0333-5567111

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 36316638-36366638(042)

حلقہ کراچی شمالی کے تحت گلستان جوہر ا میں ماہانہ تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی علاقہ گلستان جوہر ا کے زیر اہتمام ماہانہ تربیتی اجتماع و شب بیداری کا انعقاد کیا گیا۔ اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا۔ ’’اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اِن کی تربیت‘‘ کے موضوع پر محمد بشیر نے مطالعہ حدیث کروایا۔ پہلے روز کے آخری پروگرام ’’امیر سے ملاقات‘‘ میں امیر تنظیم اسلامی سے رفقاء کے سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل وِڈیو شرکاء کو دکھائی گئی۔ آخر میں تہجد کی نماز تک آرام کا وقفہ کیا گیا۔ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد میجر شاہد حفیظ نے ’’حقیقت شیطان‘‘ پر بہت ہی خوبصورت انداز میں مفصل طور پر پریزنٹیشن پیش کی۔ جس میں تعارف شیطان، اس کے مشن، مقاصد اور ذمہ داریاں، اس کے ہتھیار، اور اس سے بچنے کے اور شکست دینے کے طریقوں پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی گفتگو رکھی۔ شرکاء سے اختتامی گفتگو کرتے ہوئے امیر مقامی تنظیم عارف جمال فیاضی نے کہا کہ شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے اور اس حوالہ سے اس کو شعوری طور پر پہچاننا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم اپنی عبادات پر مطمئن ہوگئے تو ہمارا سفر تیزی کے ساتھ تنزلی کی طرف گامزن ہو جائے گا۔ جس طرح ہمارے نزدیک دنیا کے کاموں کی اہمیت ہے اور اُس کو بروقت کرنے کی کوشش ہوتی ہے، ٹھیک اُسی طرح دین کے تقاضوں کی اہمیت بھی ہم پر واضح ہونی چاہیے۔ ہم امیر اور نقیب کی دعوت پر فوراً لبیک کہنے والے بنیں۔ آخر میں مسنون دعا پر اجتماع کا اختتام کیا گیا۔ (مرتب: محمد عدیل)

حلقہ پنجاب شمالی کا سہ ماہی اجتماع اور انسدادِ سود مہم

یہ اجتماع مرکزی جامع مسجد گلزار قائد میں 15 نومبر 2015ء کو 9 بجے جناب خالد نعمت کی تلاوت سے شروع ہوا۔ نظامت کے فرائض ناظم تربیت عبید شاہد ڈار نے سرانجام دیئے۔ بعدازاں جناب عمیر نواز نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بڑی تفصیلی گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ جب بھی حق بات کی جائے گی اس کی مخالفت ضرور ہوگی۔ معاشرے کے افراد کی کردار سازی کی جائے اور یہ بغیر قرآن مجید کے ممکن نہیں۔ سود کی حرمت پر گفتگو کرتے ہوئے عادل یامین نے کہا کہ جس طرح عقیدہ میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے بالکل اسی طرح عمل میں سب سے بڑا گناہ سود ہے۔

نعمان واجد نے حزب اللہ بمقابلہ حزب الشیطان پر گفتگو کی۔ حزب اللہ کے لیے ضروری ہے کہ ان کا اللہ سے تعلق ہو، اس کی رضا مندی ہو اور آپس میں اتحاد و اتفاق اور محبت ہو۔ حزب اللہ جتنی مضبوط ہوگی اتنا ہی عدل و قسط کا نظام بھی مضبوط ہوگا۔ جناب محمد احسن نے قرآن وحدیث کی روشنی میں سود کی ممکنہ شکلیں شرکاء کے سامنے بیان کیں۔ انہوں نے کہا کہ انشورنس، لائف انشورنس، زرعی قرضہ، نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ، انعامی بانڈز، کریڈٹ کارڈ، اقساط پر چیزیں لینا، کار فنانسنگ یا پھر تعمیر مکان، سکالر شپ / سٹڈی لون، کرنسی پلاسٹک منی، سب سودی لین دین ہیں۔ اسلامی بینکنگ بھی صحیح اسلامی اصولوں پر قائم نہیں ہے کیوں کہ یہ بھی سٹیٹ بینک کے ماتحت ہی ہے۔

اجتماع کے آخر میں ناظم حلقہ پنجاب شمالی جناب راجہ محمد اصغر نے واضح ہدایات جاری کیں کہ عوامی آگاہی کے لیے انسدادِ سود مہم کے سلسلہ میں بروشر، ہینڈ بل علماء سے ملاقاتیں، بینرز اور بل بورڈز کے ذریعے یہ پیغام عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ اس کے لیے کیمپ، واک، کارنر میٹنگز، مظاہرے کیے جائیں اور ہر رفیق اپنا حصہ ضرور ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ ہم شیطان کے خلاف منکرات کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کریں۔ مقامی امراء ناظم حلقہ سے رابطہ میں رہیں گے تاکہ ضروری ہدایات سے آگاہی ہوتی رہے۔ (مرتب: صوفی محمد صفدر)

تونسہ شریف میں سود کے خلاف ریلی

حلقہ جنوبی پنجاب کے تحت اُسرہ تونسہ شریف میں 20 دسمبر 2015ء کو ریلی کا انعقاد کیا گیا۔ ملتان سے رفقاء بس اور کاروں پر تونسہ روانہ ہوئے۔ ریلی کا آغاز 12 بجے دن ہاشمی چوک سے ہوا اور کلمہ چوک تک مارچ کیا۔ رفقاء نے سود کے خلاف بینرز اور ٹی بورڈز اُٹھا رکھے تھے۔ ریلی کی قیادت امیر حلقہ محمد طاہر خاکوانی نے کی۔ اس ریلی میں تونسہ کے مقامی لوگوں کے علاوہ جماعت اسلامی کے کچھ ذمہ داران نے بھی شرکت کی۔ امیر حلقہ نے ایک بجے ریلی سے اختتامی خطاب کیا اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ دوران پروگرام تقریباً 6 ہزار ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان کاوشوں کو قبولیت سے نوازے اور وطن عزیز اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کو سودی نظام سے چھٹکارا دلائے۔ آمین (مرتب: شوکت حسین انصاری)

بہاولپور میں سود کے خلاف ریلی

حلقہ جنوبی پنجاب کے زیر اہتمام سود کے خلاف 13 دسمبر 2015ء کو بہاولپور شہر میں فرید گیٹ تا فوارہ چوک ریلی نکالی گئی۔ قرآن اکیڈمی ملتان سے رفقاء پونے نو بجے بس اور کاروں کے ذریعے بہاولپور کے لیے روانہ ہوئے۔ 11 بجے فرید گیٹ سے ریلی کا آغاز ہوا۔ امیر حلقہ جنوبی پنجاب نے ریلی کی قیادت کی۔ جس میں 100 سے زیادہ رفقاء نے شرکت کی۔ اس دوران 5000 ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ مقامی اخبارات کے صحافی اور میڈیا کی گاڑی بھی ریلی کے ہمراہ تھی۔ آدھا گھنٹہ چوک فوارہ میں مظاہرہ کے بعد ایک بجے واپس فرید گیٹ پہنچنے پر ریلی کا اختتام ہوا۔ وہاں سے رفقاء نے مرکزی اجتماع گاہ پہنچ کر نماز ظہر ادا کی۔ اللہ تعالیٰ ہماری کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور وطن عزیز سے سودی نظام کا خاتمہ کرے۔ آمین۔

(مرتب: شوکت حسین انصاری)

دعائے مغفرت

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

☆ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور کے امام قاری احمد ہاشمی کے والد وفات پا گئے
☆ حلقہ کراچی شمالی گلشن اقبال کے نقیب اقبال احمد صدیقی کی والدہ وفات پا گئیں۔
☆ حلقہ جنوبی پنجاب کی تنظیم بہاول پور کے رفیق محمد رضا حسن کے ہم زُلف وفات پا گئے
☆ تنظیم اسلامی ملتان غربی کے رفیق محمد طاہر یعقوب کی والدہ وفات پا گئیں
☆ حلقہ جنوبی پنجاب کی تنظیم ممتاز آباد کے رفیق راشد اقبال کی والدہ محترمہ وفات پا گئیں
☆ تنظیم اسلامی نیو ملتان کے رفیق امتیاز احمد لودھی کی والدہ وفات پا گئیں
☆ گلشن اقبال، کراچی کے رفیق جناب راحیل گوہر صدیقی کی صاحبزادی وفات پا گئیں
☆ ملتان کینٹ کے رفیق نسیم اختر کی اہلیہ وفات پا گئیں
☆ منفرد اسرہ ساہیوال شہر کے ملتزم رفیق محترم محمد سعید کے والد وفات پا گئے
☆ مقامی تنظیم ہارون آباد غربی کے ملتزم رفیق محبوب الحسن کی والدہ وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ
فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

Intolerance and Islamophobia in France

By: Khalid Baig

Secularism is a fascinating subject, not the least because of the richness of its meaning. For it means widely different things at different times and in different circumstances. Upon a cursory examination of French record on the subject, three flavours stand out: extra sweet, regular and bitter. In the extra sweet version, it means support of church by state. In the regular version it means separation, i.e. mutual non-interference, of church and state. And in the bitter version it means the suppression of religion by state. For obvious marketing reasons, not all versions are at display at the same time, so as not to confuse the consumers. But they are there.

For Secularism-Regular we can look at the France of the past century since 1905. After a power tussle, both church and state decided on peaceful co-existence. The church and state have defined boundaries and they generally remain within them. It is a case of live and let live. That is why the Jewish skullcaps and Christian crosses were not discovered to be violating "secular principles" and "fiercely guarded secular traditions" (labels used by the propaganda machine to justify Secularism-Bitter we are witnessing now) until hijab appeared on the scene. Somewhere between Secularism-Sweet and Secularism-Regular lies the relationship between the French government and the Catholic schools. Nearly 20% of French students go to Catholic schools. So many can go there because they are affordable. And they are affordable because they are highly subsidized by the "fiercely secular" French government! Of course such inconvenient facts were carefully left out from the media coverage so as not to spoil a good story!

The Secularism-Bitter has been reserved to fix the problem of the undeserving "infidels" who refuse to learn how to behave as good colonial subjects. When French were a minority in Muslim Algeria they imposed their culture on the majority. When Muslims became a minority in France the same French are not willing to give the minority even the right to follow their religion. So they have concocted this special brew of Secularism-Bitter which says that it is okay to be a Muslim in France but it is not okay to pray five times a day, observe fasts in Ramadan, insist on halal food, wear hijab if you are a female or a beard if you are a male, or take any other of your religious obligations seriously and sincerely.

A report by a government body, The Institut National d'Etudes Démographiques (INED), declared assimilation of Muslims as a desirable goal then effectively defined an assimilated Muslim as one who did not pray regularly, did not fast, and made fewer visits to the country of origin. The policy has been in effect for decades. Each year the French government refuses about one-third of the applicants for naturalisation, and some of those refusals are of candidates who meet the formal conditions for naturalization, but fail the "assimilation test" as defined here.

Secularism-Bitter flourishes in the other less-known France. The world knows of the France of Freedom, Equality and Brotherhood. But there is another France too, that of Islamophobia and hate. Among its many bitter fruits have been the banning of Islamic publications, arbitrary arrests of Muslim leaders (especially during the time of Charles Pasqua, former interior minister), roadside identity checks for Muslims, restrictions on halal slaughter, and creative prohibitions on mosque building. The media accounts have repeatedly reminded us that about 70% of the French public is in favour of the hijab ban and other anti-Islamic steps now being legislated. This is used as a legitimising statement so the

readers can rest assured that it must be both right and good.

What has been left out is the fact that both the French government and its media have worked long and hard on generating this Islamophobia. It "is not a recent phenomenon but was already clearly established as early as the First World War," says Neil MacMaster in Islamophobia in France and the "Algerian Problem". For the 6 million French Muslims there are only five purpose built mosques and not a single Muslim member of parliament. Of course we can count on the media machine to act as the cheerleaders as France moves down the path of (in)equality, (in) tolerance, and Islamophobia.

Courtesy:
http://pakobserver.net/detailnews.asp?id=282001

بقیہ: خلافت فورم

بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ ملک کی ایک جانی پہچانی شخصیت رہے ہیں۔ ان کے افکار کے مطابق آج کا دور مسلمانوں کے لیے ہتھیار اُٹھانے کا دور نہیں ہے، مسلم حکمرانوں کے خلاف ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ آج کی جو تکفیری سوچ ہے، ہم اس کے شدید مخالف ہیں کیونکہ وہ انتہائی سے زیادہ خطرناک سوچ ہے کہ کسی نبیاد پر بھی مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان کو قتل کر دو اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو بھی بے دھڑک قتل کرتے جاؤ۔ حالانکہ اسلام کسی کافر کے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا، سوائے اس کافر کے جو آپ کے خلاف حالت جنگ میں ہو یا جاری جنگ میں باقاعدہ شامل ہو۔ جبکہ انہیں کے جو لوگ گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ادھر اُدھر ہیں ان کو بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام تو بزرگوں، عورتوں اور بچوں کی بھی جان اور مال اور عزت کا احترام کرتا ہے اور ان کو تحفظ دیتا ہے۔ جبکہ آج کی یہ تکفیری سوچ اس کے برعکس اور انتہائی خطرناک ہے جو کہ خوارج کے فتنہ کی بھی بدترین شکل ہے جو آج کل چل رہی ہے۔ مسلم ممالک میں یا خاص طور پر پاکستان میں جہاں ہم سب مسلمان ہیں، ہمارا دستور اسلامی ہے، اسلامی نظام مسلمانوں کا حق ہے، لیکن اس حق کے حصول کا اصل طریقہ یہ ہے کہ ہم حکومت سے مطالبہ کریں، پرامن احتجاجی مظاہرے کریں اور حکومت کے سامنے کھڑے ہو جائیں کہ ہمیں ہمارا حق دیا جائے۔ ہمارا آئین بھی ہماری تائید کرتا ہے، جس کے مطابق یہاں اللہ کے قانون کی بالادستی ہونی چاہیے لہٰذا آئین کے اس تقاضے کے مطابق اسلام کو یہاں نافذ کیا جائے اور سودی معیشت کو ختم کیا جائے۔ فحاشی اور عریانی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے یہ شیطانی تہذیب کا حصہ ہے اور اس کی کوئی گنجائش اسلام میں نہیں ہے، اس کو بھی ختم کریں۔ لیکن اس کے لیے ایک پُرامن اور بھرپور عوامی قوت کے مظاہرے کی ضرورت ہے جس میں توڑ پھوڑ بالکل نہ ہو۔ ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں یہ کر کے دکھایا گیا، دین کے غلبے اور نفاذ شریعت کے لیے انہوں نے پرامن مظاہرے کیے، گولیاں کھائیں اور قربانیاں دی ہیں لیکن ہتھیار نہیں اُٹھائے۔ مسلم ممالک میں غلبۂ دین کی جدوجہد کا اصل میں یہی صحیح طریقہ ہے۔ اور تنظیم اسلامی ملک میں نفاذ شریعت کے لیے گزشتہ 30 سال سے اسی راستے پر گامزن ہے۔

تنظیمی اطلاعات

حلقہ پنجاب شرقی میں محمد ناصر بھٹی کا بطور امیر حلقہ تقرر

امیر حلقہ پنجاب شرقی کے تین سال مکمل ہونے پر نظرثانی کے حوالے سے حلقہ کے ذمہ داران کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 19 نومبر 2015ء میں مشورہ کے بعد محمد ناصر بھٹی کا بطور امیر حلقہ تقرر فرمایا۔

حلقہ فیصل آباد کی مقامی تنظیم "مدینہ ٹاؤن" میں حبیب الرحمٰن کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ فیصل آباد کی جانب سے مقامی تنظیم مدینہ ٹاؤن میں تقرر امیر کے لیے موصولہ ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 25 نومبر 2015ء میں مشورہ کے بعد حبیب الرحمٰن کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ لاہور غربی کی مقامی تنظیم "لاہور وسطی" میں نثار احمد خان کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور غربی کی جانب سے مقامی تنظیم لاہور وسطی میں تقرر امیر کے لیے ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 10 دسمبر 2015ء میں مشورہ کے بعد نثار احمد خان کو مقامی تنظیم لاہور وسطی کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ گجرانوالہ ڈویژن کی مقامی تنظیم "گجرانوالہ" میں حافظ محمد افضل کا بطور امیر تقرر

ناظم حلقہ گجرانوالہ ڈویژن کی جانب سے مقامی تنظیم گجرانوالہ میں تقرر امیر کے لیے موصولہ ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 10 دسمبر 2015ء میں مشورہ کے بعد حافظ محمد افضل کو مقامی تنظیم گجرانوالہ کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ لاہور شرقی کی مقامی تنظیم "چھاؤنی" میں راحیل محمود بھٹی کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور شرقی کی جانب سے مقامی تنظیم چھاؤنی میں تقرر امیر کے لیے ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 10 دسمبر 2015ء میں مشورہ کے بعد راحیل محمود بھٹی کو مقامی تنظیم چھاؤنی کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ گجرانوالہ ڈویژن کی مقامی تنظیم "گجرات" میں علی جنید میر کا بطور امیر تقرر

ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کی جانب سے مقامی تنظیم گجرات میں تقرر امیر کے لیے موصولہ ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 10 دسمبر 2015ء میں مشورہ کے بعد علی جنید میر کو مقامی تنظیم گجرات کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ مالاکنڈ کی مقامی تنظیم "باجوڑ شرقی" میں محمد نعیم کا بطور امیر تقرر

ناظم حلقہ مالاکنڈ کی جانب سے مقامی تنظیم باجوڑ شرقی میں تقرر امیر کے لیے موصولہ ان کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 17 دسمبر 2015ء میں مشورہ کے بعد محمد نعیم کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

ضرورت رشتہ

☆ شیخ فیملی کو اپنی نیک سیرت بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم اے اسلامیات و عالمہ فاضلہ کے لیے تعلیم یافتہ ترجیحاً رفیق تنظیم کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0322-4617103

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 23 سال، تعلیم بی ایس آنرز قد 5.4، شرعی پردے کی پابند کے لیے دینی و تحریکی ذہن کے حامل اعلیٰ تعلیم یافتہ برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0333-4688088

☆ بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایم اے کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0345-4253801

VOL : 25 Regd. C.P.L NO. 114 No.01

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore